لہ دعوۃ الحق

قرآن [illegible] تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

اس شمارے میں

جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۳ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ دسمبر ۱۹۶۶ء زر سالانہ چھ روپے فی پرچہ ۵۰ پیسے غیر ممالک سالانہ ۱۲ شلنگ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مملکتِ اردن کی سرحدات پر اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں، لوٹ مار، مال وجان کی تباہی اور نہتی آبادیوں پر وحشیانہ حملوں نے ایک بار پھر روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو اضطراب میں ڈال دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے، کہ ہماری وقتی اور ہنگامی جزع فزع اور چند احتجاجی بیانات سے اس درندگی اور بربریت کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں۔۔۔!

اس کا علاج تو صرف یہ ہے۔ کہ محمد عربی علیہ السلام کے تمام نام لیوا مسلمان آپس میں متحد و متفق ہوکر کفار و استعمار کے مقابلہ میں ایک "بنیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح بن جائیں۔ آج ہم باطل اور سامراج کا قلع قمع یگانگت اور رشتۂ اتحاد ہی کے ذریعہ کرسکتے ہیں۔ جو قومی اور علاقائی بنیادوں پر نہیں بلکہ بین الاسلامی اساس پر استوار ہو۔ ایک ایسی روحانی اساس جس کے آگے قوم، وطن، رنگ ونسل کی کوئی حیثیت نہیں ـــــ دنیا کی ایک مغضوب علیہ ذلیل اور خوار قوم "یہود" کے ہاتھوں ہماری بار بار پٹائی ـ؟ــ یہ تو قدرت کا ایک تازیانہ ہے، کہ مسلمان بیدار ہوں۔ ملّت کی خاطر اور محمد عربی علیہ السلام کے ننگ وناموس کی لاج رکھنے کی خاطر ہم میں کچھ شعور پیدا ہو، مگر افسوس ہماری خودی اور "انا" اب ایسی فنا ہوچکی ہے، کہ سوائے وقتی شور اور چند روزہ واویلا کے ہم آج تک کسی مثبت فیصلہ پر متفق بھی نہ ہوسکے۔ کہ ہم کیا کریں۔۔؟ اگر ہماری غفلت اور کوتاہی ملکی اور سیاسی خودغرضی اور وصرتے بندیوں کا یہی عالم اور ہمارا شیوہ صرف نالۂ وشیون رہا تو کفر کا عفریت اور مغربی استعمار کا دیو اسی شدت سے کبھی اردن کی سرحدات پر حملہ آور ہوگا، اور کبھی شام کی مقدس سرزمین پر مغربی طاغوت اور استعمار کا اپنے پروردہ اژدہا "اسرائیل" کی شکل میں عربوں کے سینے پر لوٹتا رہے گا، اور کبھی کفر اور ظلم کا یہ ناسور قبرص اور کشمیر کی شکل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سوہانِ روح بنا رہے گا۔

فهل من مدکر۔

اس بسیطِ ارض پر بسنے والے تمام مسلمان ایک گھرانے کے افراد ہیں۔ وہ گھرانا جو روحانیت اور اسلام کے رشتوں پر کھڑا ہے، اس گھر کے کسی فرد کو تکلیف پہنچنے سے سارے گھرانے کی بےچینی ایک واجبی اور طبعی امر ہے۔ خواہ وہ فرد فلسطین میں بستا ہو یا کشمیر میں۔ قبرص میں ہو یا الفوپیا (حبشہ) میں۔ اس لحاظ سے یہود (خذلهم الله وقبحهم) اور درپردہ ان کے مربی

مغربی اقوام کے یہ ظالمانہ حملے صرف اردن و شام پر نہیں بلکہ پورے مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج ہیں۔ یہ پورے کفر کی یلغار ہے اسلام پر، اور پورے باطل کی للکار ہے حق کے خلاف ــــــ آج خالد بن ولیدؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ کی پاکیزہ روحیں بےچین ہیں کہ کوئی اٹھے اور ایک بار پھر اپنے پرسوز نعرے اور جگر پاش نعروں سے غافل ملتِ محمدیؐ کو جھنجوڑ کر رکھ دے۔ درد و سوز میں ڈوبی ہوئی وہ پکار جس کے ذریعہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک بار گرتی ہوئی فوج کو سنبھالا دیا تھا ــــــ ــــــ وا محمداہ ــــ وا محمداہ للاسلام والمسلمین۔

○

پچھلے دنوں ملتان میں جمعیۃ العلماء اسلام کے ایک ممتاز قائد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور دیگر کئی جماعتوں کے ممتاز اور امن پسند شہریوں کو صرف اس جرم کی پاداش میں جیل جانا پڑا۔ کہ وہ "جشن ملتان" میں ہونے والے غیر شرعی اخلاق سوز تقریبات رقص و سرود، راگ و رنگ کے پروگراموں پر احتجاج کر رہے تھے۔ آج جب کہ ہمارا ملک شدید قسم کے معاشی، سماجی اور اخلاقی مسائل سے دوچار ہے۔ خارجی استحکام اور بچاؤ کے لئے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے، عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات بآسانی میسر نہیں ہو رہی ہیں۔ ایسے حالات میں اس قسم کے جشنوں کا انعقاد ہی سرے سے محل بحث ہے کہ ایک ترقی پذیر قوم اس عیاشی کی متحمل کہاں تک ہو سکتی ہے۔؟ مگر حضرت مفتی محمود صاحب اور ان کے امن پسند رفقاء کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ اس جشن سے وہ ایمان سوز غیر شرعی پروگرام حذف کر دیئے جائیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دن بدن روبہ زوال ہوتا جا رہا ہے۔ غنڈہ گردی، بے حیائی، بداخلاقی کا فروغ ہو رہا ہے۔ شرفاء کی عزت و ناموس اور پاکبازوں کی عفت و عصمت سماج دشمن عناصر کے ہاتھوں دن دھاڑے لٹ رہا ہے۔ اور جس کے انسداد و استیصال کے لئے نہ صرف علماء بلکہ خود گورنر مغربی پاکستان جناب محمد موسیٰ خان صاحب متفکر اور پریشان ہیں۔ ہم پورے جذبۂ خیر خواہی سے اربابِ اقتدار سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ کیا اصلاحِ معاشرہ کے لئے جدوجہد کرنا اور ملک کو اخلاقی زوال اور سماجی بربادی سے بچانے کی کوشش قابلِ دست اندازی جرم ہے۔؟ اور کیا یہ اصلاحی کوششیں ملک سے غداری کی مترادف ہیں؟ اور کیا ایسے نازک حالات میں جن سے ہمارا ملک دوچار ہے، رقص و سرود کی محفلیں منانا ملک کی خیر خواہی ہے؟ ان حضرات کی گرفتاری پر عام مسلمانوں کا اظہارِ افسوس اور غم بالکل بجا ہے۔ پھر جب کہ ہماری معلومات کے مطابق ان حضرات نے گرفتاری تک اپنے مطالبہ کیلئے کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھایا

تھا، نہ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی گئی تھی، نہ کوئی ایجی ٹیشن کرایا گیا تھا اور نہ کوئی عام جلسہ ـــــ تو انتظامیہ کے اس اقدام کو کوئی جواز نہیں ملتا۔

○

ایک وقیع اور سنجیدہ کتاب "علم جدید کا چیلنج" سے ایک اقتباس (ص ۲۶۵) تعدد ازدواج پر پابندی لگانے والوں کی خدمت میں بلا تبصرہ پیش ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

" اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسکو بھی تہذیب جدید نے بڑے زور شور کے ساتھ جہالت کا قانون قرار دیا ہے۔ مگر تجربے نے ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام کا یہ اصول انسانی فطرت کا عین تقاضا ہے۔ کیونکہ چند زوجیت (تعدد ازواج) کے قانون کو ختم کرنا دراصل دوسرے غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولنا ہے۔

یہاں میں اقوام متحدہ کے ڈیموگرافک سالنامہ ۱۹۵۹ء کا حوالہ دوں گا۔ اس میں اعداد و شمار کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے وہ یہ کہ بچے "اندر سے کم اور باہر سے زیادہ" پیدا ہو رہے ہیں۔ ڈیموگرافک سالنامہ کے مطابق ان ملکوں میں حرامی بچوں کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے۔ اور بعض ممالک مثلاً پناما میں تو چار میں سے تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں یعنی ۷۵ فیصد حرامی بچے۔ لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

متحدہ اقوام کے اس ڈیموگرافک سالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ملکوں میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے۔ چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فیصدی سے بھی کم ہے۔ جب کہ متحدہ عرب جمہوریہ تمام مسلم ملکوں شاید سب سے زیادہ مغربی تہذیب سے متاثر ہوا ہے۔ مسلم ممالک دور جدید کی اس عام وبا سے محفوظ کیوں ہیں۔ اس کا جواب متحدہ اقوام کا سالنامہ مرتب کرنے والے ایڈیٹروں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (POLY GAMY) کا رواج ہے۔ اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔ چند زوجیت کے اصول نے مسلم ملکوں کو وقت کے اس طوفان سے بچا لیا ہے۔ (MOVE OUT THANIM) مطبوعہ ہندوستان ٹائمز ۱۲ر ستمبر ۱۹۶۰ء۔

○

اس ماہ دو ممتاز اور برگزیدہ دینی شخصیتیں ہم سے جدا ہوئیں ——— انا للہ وانا الیہ راجعون۔
حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مرحوم ایک جید عالم اور اسلامی علوم و فنون کے ممتاز مدرس تھے۔
دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں معقول و منقول کی ممتاز کتابیں پڑھاتے رہے بعد از تقسیم پاکستان میں علوم نبویہ اور فنون اسلامیہ کی درس و تدریس میں منہمک رہے تعلیم و تدریس ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، تجرد، یکسوئی، نفاست طبع، خوش ذوقی اور خوش لباسی زہد و تقویٰ ہر لحاظ سے منفرد اوصاف کے حامل تھے ——— سانحۂ وصال بھی نماز تہجد، وظیفہ اور مراقبہ ہی پیش آیا جو انشاء اللہ انکی سرخروئی اور خوشنودیٔ مولیٰ حاصل ہونے کی علامت ہے ———
——— دوسری ممتاز دینی شخصیت حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی ہیں۔ جو ۳ شعبان المعظم کو طویل علالت کے بعد ملت مسلمہ کو داغ مفارقت دے گئے۔ دینی اور ملی محاذ کے اس ممتاز اور نڈر سپاہی کی زندگی بھی حق کی سربلندی اور مدافعت میں گزری۔ مجلس احرار اسلام کی اسٹیج ہو یا تحفظ ختم نبوت کا محاذ اسلام کے اس شعلہ بیان خطیب کی قائدانہ صلاحیتیں ہر جگہ ممتاز و نمایاں شکل میں ابھریں ان کی شعلہ فشانی سے دل پگھل جاتے گھنٹوں حاضرین کو ہنساتے اور رلاتے۔ نبوت و رسالت اور دینی اقدار کے خلاف جہاں بھی اشرار نے یورش برپا کی۔ قاضی صاحب مرحوم خرمن باطل پر اپنے مقتدا، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کیطرح ایک صاعقہ بن کر گرے۔ زندگی جہاد میں گزری اور وفات سے قبل سرطان جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو کر قرب اور ولایت کے مقامات پر فائز ہوئے ان ہر دو حضرات کی جدائی پوری ملت مسلمہ کے لئے ناقابل برداشت خسارہ ہے۔ اسلام کے خلاف باطل کی یلغار بہت شدید ہے۔ اور ہمارے دینی محاذ تیزی سے خالی ہوتے جا رہے ہیں ——— فالی اللہ المشتکی ——— بظاہر جانے والوں کی جگہ خالی ہی رہے گی۔ کچھ عرصہ بعد دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح یہاں کے لوگ بھی ایسے قدسی صفات، ایثار و قربانی کے پیکر، زہد و تقویٰ کی مجسم تصویروں کو دیکھنے کیلئے ترسیں گے۔ مگر حالت یہ ہو گی کہ ؎

خزاں رسید و گلستان بآں جمال نماند — سماع بلبل شوریدہ رفت و حال نماند
نشان لالۂ ایں باغ از کہ می پرسی — ہر کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند

ان ہر دو حضرات کی جدائی میں الحق اور دارالعلوم حقانیہ پورے علمی اور دینی طبقوں کے غم میں شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین درجات قرب اور مقامات رفیعہ سے نوازے۔ اللھم ارحمھما وارزقھما عیشۃ راضیۃ واجزھم عن الاسلام والمسلمین۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

خاص برائے الحق

از ارشادات جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا عبدالغفور مدظلہ العباسی مہاجر مدینہ طیبہ

حضرت مولانا المحترم شیخ عبدالغفور العباسی نزیل مدینہ طیبہ (علی صاحبہا التحیۃ) آج کل پاکستان تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس مناسبت سے ہم حضرت محترم کے چند ملفوظات پیش کر رہے ہیں۔ یہ ملفوظات شوال ۱۳۹۳ھ میں ایک صاحب نے قیام مدینہ طیبہ کے دوران حضرت مولانا کی مجالس میں قلمبند کئے تھے۔ "ادارہ"

★ فرمایا اللہ تعالیٰ کی شان ہے جس طرح چاہیں مظاہرۂ قدرت فرمادیں۔ فرمایا کہ یہ دنیا فانی ہے۔ حیات مستعار ہے۔ چند لمحات ہیں، کوئی بھروسہ نہیں، موت سر پر کھڑی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے، وہ اپنے بندوں کی پاکی چاہتے ہیں۔ کہ میرے بندے پاک ہو کر میرے پاس آئیں، جنت میں پاک لوگ جائیں گے، آپ لوگ حج و زیارت کرنے اس غرض سے آئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پچھلے گناہ معاف کردے، اور آئندہ پاک صاف رہیں۔ تو یہ باطن کا غسل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔ (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوا۔) جس طرح بدن سے میل کچیل کی صفائی صابن پانی سے ہوتی ہے، ایسے ہی دل کی صفائی توجہ (الی اللہ) سے ہوتی ہے۔ ان تمام طرق اور صحبت اہل اللہ اور ارشاد و تلقین کا مقصد یہی ہے کہ شریعت پر عمل اور اخلاص نصیب ہو۔ نہ اڑنا مقصد ہے نہ سمندروں کے اوپر تیرنا۔ یہ چیزیں تو مسمریزم بھی کراتا ہے۔ کوا بھی ہوا میں اڑتا ہے۔ اسے کوئی بھی ولی قطب یا غوث نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے قدرت سے ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ مچھلیاں بھی سمندر میں تیرتی ہیں، اگر آدمی بھی ایسا کرنے لگے تو کیا کمال؟ بھینس، خچر بھی سمندر میں تیرتے ہیں، خدا نے ان کو تیرنا سکھا دیا ہے۔ "سمندر" نام کا ایک پرندہ ہے جو آگ کھاتا ہے۔ تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل میں اس کا ذکر ہے۔

★ مقصد زندگی تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ ذکر حق ۲۔ فکر حق ۳۔ رضائے حق۔ ذکر حق زبان سے فکر حق دل سے اور ان دونوں کا مقصد بھی رضائے حق ہے۔ ذکر و فکر حق سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ عجیب نعمت ہے یہ صحبت اور سلوک کوئی مانے نہ مانے کروڑوں لوگ اس راہ سے اپنے مقصد تک پہنچ گئے ہیں۔

★ مدینہ طیبہ کی مٹی بھی ایماندار ہے، اور مٹیوں کی طرح نہیں، کیوں نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم چودہ سو برس سے اس میں آرام فرما ہیں۔ تو ذات شریف کی برکت اس زمین کے رگ و ریشہ میں جاری ساری ہے، اعتقاد اور ادب کی ضرورت ہے۔

★ فرمایا اگر توسل (کسی کو وسیلہ بنانا) شرک ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں کیا۔؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیاء و انبیاء سے ثابت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے: وکان رسول اللہ یستفتح بصعالیک المهاجرین۔ (ای فقراء المهاجرین) — (حضور اقدس مسکین اور فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے۔) ایسے موقعہ پر حکم مبدا اشتقاق کی وجہ سے نکلتا ہے، تو صفت فقر و ہجرت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر توسل کیا جب اعلیٰ ذات نے ادنیٰ پر توسل کیا تو ادنیٰ تو بطریق اولیٰ اعلیٰ پر توسل کر سکیں گے۔ اگر حیات میں اعمال صالحہ سے توسل ہو سکتا ہے، تو کیا بعد از وفات اعمال صالحہ فنا ہو جاتے ہیں۔ اگر حیات مبارک میں توسل توحید ہے، تو بعد میں کس طرح وہ شرک بن جائے گا۔ دراصل یہ لوگ تصوف کے منکر ہیں۔ اگر تصوف کے جواز کے قائل ہوں تو توسل کا قائل ہونا پڑے گا۔ یہ شجرات صوفیہ بحرمۃ فلان وغیرہ الفاظ اسی توسل پر مبنی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر توسل کرتے تھے۔ اب ان کے چچا حضرت عباس پر توسل کرتے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بعد از وفات بھی توسل کرنا شائع اور ذائع تھا اور معلوم و معروف تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس طرف توجہ دلائی کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے ان کے عم محترم پر بھی توسل کر سکتے ہیں نہ یہ کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قابل توسل نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ حضورؐ کی سنت پر چلنے کی توفیق دے اگر قول فعل عمل عبادات و معاملات سب سنت کے مطابق ہو جائیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ باقی سب جھگڑے افراط و تفریط کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

★ راقم کے ہاتھ میں حضرت تھانویؒ کی مناجات مقبول دیکھ کر فرمایا۔ حضرت تھانویؒ شیخ وقت تھے۔ غزالی وقت تھے۔ خدا نے علم بھی دیا، فہم دیا، دین کی خدمت کی تالیفاً وعظاً و تقریراً ہر حیثیت سے خدا نے انہیں بڑا موقعہ دیا۔ بڑے کامل شخص تھے ——— میں نے تین وعظ حضرت کے سنے، شاہ گل والی مسجد (دہلی) میں یہ بات کہی کہ جو کچھ سناتا ہوں، رنج نہ کرو، اوّل مخاطب میرا نفس ہوتا ہے اور تم ثانیاً ہوتے ہو، اگر زبان پر سخت لفظ آجائے تو ناراض نہ ہوں۔ اس زمانہ میں جب تک انسان عند الناس زندیق نہیں بنتا ہے عند اللہ صدیق نہیں بنتا" ——— یہ جملے مجھے ان کے یاد ہیں۔

مدرسہ عبدالرب والے وہ وعظوں کے جملے یاد نہیں رہے۔ مولانا بزرگوں میں سے تھے، اللہ والے اور اپنے وقت کے امام تھے۔ علماء کے مشارب کے اختلاف میں ہمیں لب کشائی کا کوئی حق نہیں صحابہؓ کا بھی سیاست میں اختلاف ہوا۔ مولانا تھانوی کے وقت مسئلہ خلافت بھی اجتہادی مسئلہ تھا۔ حضرت تھانویؒ اس کے حق میں نہ تھے۔ تو اور خدمت میں اسوقت مشغول تھے ہمارا حسن ظن ہے سب کے بارہ میں تحریک شیخ الہندؒ کی تھی، ان کے اتباع بھی مجبور تھے اور اخلاص پر ان کے مساعی مبنی تھے۔

★ فرمایا ہر زاہد اور فقیر کے لئے تین باتیں چاہئیں۔ ۱۔ سخاوت کالبحر (سمندر جیسی سخاوت)۔ ۲۔ تواضع کالارض (زمین جیسی عاجزی) جو بھی پھینکو برداشت کرے گی۔ ۳۔ شفقت کالشمس۔ جو عام ہو آفتاب کی طرح۔

★ حضرت گنگوہی مرحوم کا واقعہ ہے کہ کسی نے محبت کا تعویذ مانگا، انکار کیا مگر وہ نہ مانا ۔۔۔ تو ایک پرزہ میں یہ تحریر فرما کر اسے دیدی کہ "یا اللہ میں جانتا نہیں یہ مانتا نہیں، یہ تمہارا بندہ ہے، تم جانو اور یہ جانے"۔ غرض تفویض الی اللہ (اللہ کو سپرد کرنا) سب سے بڑا تعویذ ہے۔ امام شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ میرا ایک لڑکا تھا، پڑھتا نہ تھا، مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں نے عبدالرحمان کو تیرے سپرد کیا، تم جانو اور یہ جانے۔ تفویض کا نتیجہ نکلا کہ وہ پڑھنے لگا۔ اور تھوڑے دنوں میں علمی نکات اور معارف اس کی زبان پر جاری ہوئے تو انہوں نے تجربہ لکھا ہے کہ جو کام کرنا ہو اسے خدا کے سپرد کر دیا کرو، تو میرا بھی طریقہ ہے کہ کچھ نہیں کر سکتا تو خدا کے سپرد کرنے لگتا ہوں۔

★ حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ چند باتوں پر عمل ضروری ہے۔ ۱۔ ہر ایک کے ساتھ احسان کرو اور احسان کی امید کسی سے نہ رکھو۔ ۲۔ کسی کو اذیت نہ پہنچاؤ، اور اگر تمہیں کوئی پہنچائے تو صبر سے کام لیتے رہو۔

★ فرمایا علم دین اساس اور بنیاد ہے صفۃ اللہ (اللہ کی صفت) ہے۔ میراث انبیاء، مشعل راہ اور روح کی غذا ہے۔ حق و باطل کی تمیز اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ ورنہ غلط آدمی بسا اوقات غلط راستہ پر لگا دے گا۔ صحیح طریقت اور سلوک وہ ہے جو کہ شریعت کے میزان پہ پورا اترے مثلاً اب نہ اذان کے وقت کلمۂ رسالت سن کر بعض لوگ انگوٹھا چومتے ہیں۔ نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سُننا اور انگوٹھا اپنا چوما تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا احترام و تعظیم ہوا۔ خدا کے بندو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھا تو نہیں۔ ایسی محبت غلط ہے۔ یہ ناک اور پیشانی بھی شیخ کے ہاتھ پر لگانا سخت غلط ہے ۔۔۔

رکن اعزازی ادارۃ الحق

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کا

ماڈرن اسلام

ایک نظر میں

صرف نغمے ہی نہیں سے بھی بدلنی ہوگی
باغبانوں نے سُنا ہے کہ چمن بیچ دیا
نام دے کر جسے "مذہب" کا رکھا تھا محفوظ
دورِ حاضر نے وہ "منشورِ کہن" بیچ دیا (احسان دانش)

آج سے ساڑھے گیارہ سو سال پیچھے کا منظر تاریخ کی دوربین سے ماضی کے جھروکے میں جھانک کر دیکھو تمہیں اس وقت کے "عقلیت پرستوں" کا کھڑا کیا ہوا ایک فتنۂ عریاں ناچتا نظر آئے گا۔ اس فتنہ نے کتنے اہل اللہ کا خون اپنے سر لیا، خدا کے کتنے مقبول بندوں کو آزمائش میں ڈالا، علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی کتنی شمعیں گل کیں، تاریخ کے پارینہ اوراق سے دریافت کرو، وہ تمہیں یہ تمام دردناک داستان بڑے کربناک انداز میں سنائیں گے۔ یہ فتنہ جسے فلسفۂ یونان کے توشہ دان سے غذا مہیا کی جاتی تھی۔ اور طرح طرح کے رنگین عنوانات سے جس پہ کفر و اسلام اور ایمان و شرک کے فتوے صادر کئے جاتے تھے۔ اور مطلق العنان خلافت کی پوری قوت جس کے نافذ کرنے اور زبردستی لوگوں کے سر منڈھنے میں مصروف تھی۔ اس کا نام فتنۂ "خلقِ قرآن" تھا۔ اور اس فتنہ سے پنجہ آزمائی کے امتحان میں کامیاب ہونے والوں کے سرخیل حضرت امام احمد بن حنبلؒ تھے۔۔ اپنے تمام جبروتی جاہ و جلال کے باوجود اس فتنہ کو اپنی موت آپ مرتے ہوئے دیکھا گیا، اور وہ اہلِ حق جنہیں جبر و تشدد کی چکی میں پیس دینے

کا فیصلہ کر لیا گیا تھا، سب نے دیکھا کہ ان کی "حق کوشی" نے انہیں ابدی زندگی کا وارث بنا دیا۔ ؎ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کی بڑی مدت سے عادی ہو چکی ہے، آج اسی عقلیت اسی فلسفہ، اسی رنگینی، اسی آب و تاب اور اسی قوت و جبروت کے ساتھ ایک فتنہ تمام ممالک اسلامیہ میں کھڑا کیا گیا ہے، جسے خلق قرآن نہیں بلکہ بعد میں آنے والا مورخ " فتنۂ خلق اسلام" کا نام دے گا، اور جسے فلسفۂ یونان سے نہیں بلکہ "فلسفۂ مغرب" کے علمی ذخائر سے غذائی رسد مہیا کی جاتی ہے، میں آج چراغ تمنا لئے کر کسی احمد بن حنبل کی تلاش میں نکلا ہوں جو اپنے نحیف بدن پر کوڑوں کی ضربیں برداشت کر جاتے، لیکن اس فتنہ کو ہمیشہ کے لئے موت کے گھاٹ اتار دے، میں آج کسی احمد بن نصر کو ڈھونڈنے چلا ہوں، جس کی لاش تختۂ دار پر مسلسل چھ سال تک لٹک کر یہ اعلان کر سکے کہ

"اسلام حادث نہیں، قدیم ہے، یہ قرون وسطیٰ کی پیداوار نہیں، خدا کا نازل کردہ ہے۔"

اسی کے ساتھ میں ان دوستوں کو جنہوں نے اس فتنہ کے قبول کر لینے پر آمادگی اختیار کر لی ہے۔ یا اس کے خلاف سکوتِ مصلحت آمیز کا پر امن راستہ تجویز کر لیا ہے۔ کسی کا یہ پیغام دینے چلا ہوں ——— فریقِ اوّل کو یہ کہ ـــ

تم نے مغرب سے خریدے ہیں ندیموں کے جہاز تم نے خود کو کب تقدیرِ وطن بیچ دیا

اور فریقِ دوم کو یہ کہ ـــ

کوئی دیوانوں سے پوچھے یہ خموشی کیسی کیا کہیں نعرۂ "بت خانہ شکن" بیچ دیا (احسان دانش)

دورِ جدید کے جس فتنۂ جدید کا ذکر آپ کے سامنے لایا گیا، اسے جدید اصطلاح میں تجدد پسندی کہا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں اس تجدد پسندی کا تنظیمی مرکز ادارۂ تحقیقات اسلامیہ (راولپنڈی) ہے، خبر ملی ہے، کہ ادارۂ تحقیقات اسلامیہ نے "اسلامی قانون" کے موضوع پر ایک جامع کتاب" کی تدوین کا فیصلہ کر لیا ہے، اس لئے وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر ہمیں چند مختصر لیکن ذرا صاف صاف باتیں عرض کر دینی چاہئیں۔" محمد یوسف

۱ـــ ادارۂ تحقیقات کا اسلام

اگر یہ صحیح ہے کہ کسی ادارہ کے اعتماد یا بداعتمادی، مقبولیت یا مردودیت، افادیت یا لغویت اور کشش یا نفرت کا مدار اسکی عمارتی نمائش، در و دیوار، فرش فروش، ساز و سامان اور کتاب خانہ یا

لائبریری پر نہیں ہوتا، بلکہ اس بارے میں اصل چیز اس کے اقدار، اسکی روایات، اس کا طرزِ فکر اور طرزِ عمل ہوا کرتا ہے، اور پھر ان تمام امور کا انحصار اس کے رجال کار، عملہ، اور مجلس ادارت پر ہوا کرتا ہے۔ تو ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے، کہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کی پنج سالہ کارکردگی اور اسکی اقدار و روایات، امتِ مسلمہ کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں، اس ادارہ نے جن ڈاکٹروں، پروفیسروں اور مفکرین کی جماعت اپنی ادارتی تشکیل کے لئے منتخب کی ہے۔ نہ ان کو امت پر اعتماد ہے، نہ امت کو ان پر اعتماد ہے، نہ ان کے نزدیک امت کا اسلام صحیح ہے، نہ امت کے نزدیک ان کا "جدید اسلام" قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ وہ امت کے تمام عقائد کو بیک جنبش قلم غلط اور توہم پرستی قرار دیتے ہیں۔ اور امت ان کے نظریات کو "استاذِ مغرب" سے حاصل کردہ بتلانے پر مجبور ہے۔ ان کے نزدیک پوری امت کا فہم حجت نہیں، اور پوری امت اس فیصلہ میں اپنے آپ کو حق بجانب تصور کرتی ہے۔ کہ خود ان ہی کا فہم مسخ شدہ ہے، القصہ وہ امت کی کسی چیز کو صحیح ماننے کیلئے تیار نہیں، اور امت کے نزدیک ان کی تحقیق ناقابلِ تسلیم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس ادارہ کی طرف سے "ترجمانی مغرب" کے مظاہرے تو بارہا ہوتے رہے ہیں، لیکن "ترجمانی اسلام" کے بارے میں اسکی روش انتہائی حد تک مایوس کن بلکہ تباہ کن رہی ہے۔ اس ادارہ کے "اربابِ فکر و نظر" نے تجدد پسندی اور اسلام کی نئی تشریح و تعبیر کی دریافت کیلئے تحریف و الحاد کا جو وسیع جال پھیلایا ہے۔ اور اس کے لئے قرآن و سنت کے علاوہ اسلام اور اسلامی تاریخ کو جس بھونڈے انداز میں مسخ کیا ہے، اگر اسے یکجا کر دیا جائے تو ایک ضخیم "کتاب التحریف والالحاد" مرتب کی جا سکتی ہے، اس مختصر مقالہ میں اس "دفترِ تحریف" کا اجمالی تعارف بھی آسان نہیں، لیکن پھر بھی بحکم مالا یدرک کلہ، لا یترک کلہ (جس چیز کو تمام حاصل نہ کیا جا سکے، اسے بالکلیہ ترک بھی نہیں کیا جا سکتا) ضروری ہے کہ چند تحریفی نمونے امتِ مسلمہ کے سامنے رکھدیئے جائیں، تاکہ امت اس "فتنۂ خلقِ اسلام" سے پوری طرح آگاہ ہو سکے، اور علمائے امت کے لئے "قدیم اسلام" کو یکسر مشکوک قرار دینے والے "پنج سالہ کودک نادان" کے بارے میں ایمان و کفر کے شرعی فیصلہ میں آسانی پیدا ہو جائے۔

اسلام کا مفہوم سب سے پہلے خود "اسلام" کو لیجئے، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کا آرگن "فکر و نظر" اٹھا کر دیکھئے "موجودہ سو سالہ اسلام" کے بارے میں آپ کو جگہ جگہ "روایتی اسلام"، "راسخ العقیدہ گروہ کا اسلام"، "تشکیلی دور کے بعد کا اسلام"، "روائتی طرزِ فکر" "قدامت پسندی" اور "روایت پرستی" کے الفاظ ملتے چلے جائیں گے۔ جس سے واضح ہوتا ہے، کہ یہ ادارہ سرے

سے اس اسلام کا قائل ہی نہیں، بلکہ اسے قرونِ وسطیٰ کی مخلوق تصور کرتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہم نے اس فتنہ کا نام "مخلوق اسلام" رکھا۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں، بلکہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے دارالافتاء سے اس "پارینہ اسلام" کے بارے میں یہ فتویٰ صادر کیا جاتا ہے:

"مسلمہ عقاید کے حامیوں کے پاس اسلام مزید نہ رہا مگر کس حال میں۔ ؟ محض پوست، مغز سے محروم، ایک ظاہری رسمی ڈھانچہ، روح سے عاری۔" (فکر و نظر جلد ۲ ش ۳ صفحہ ۱۵۳)

اور یہ کہ:

"اسلام غلو کے دو پاٹوں میں پس گیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قانونِ برہم تھا جو راسخ العقیدہ گروہ کو اس بات پر مجبور کر رہا تھا کہ وہ ثبوتی فکر کو نیست و نابود کر دے۔" (حوالہ بالا صفحہ ۱۵۶)

مزید برآں یہ کہ:

"اگر قدامت پسندی اپنی روشن ضمیری سے محروم ہو جائے، تو تمام تمدنی ڈھانچے کا تباہ ہو جانا یقینی ہے۔ بدقسمتی سے اسلام پر یہی بیتا گذری۔" (جلد ۲ ش ۱ صفحہ ۱۱)

چونکہ یہ چہاردہ صد ۱۴۰۰ سالہ پیر کہن اسلام تجدد پسند ادارۂ تحقیقات کے نزدیک "آزاد بیمانہ زندگی" میں حارج ہوتا ہے۔ اس لئے زندگی پر سے اسے اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے، اور لادینیت (سیکولرزم) کی دعوت دی جاتی ہے۔

"اگر روایتی مذہبی تصورات و اعمال خالص دنیوی جدید عقلیت اور سائنسی ذہنیت سے نہایت سختی سے الگ رکھے جائیں تو وہ کتنی دور تک اور کتنی گہری قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔؟ یہ سوال کافی سوچ میں ڈالنے والا ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے۔ کہ یہ کبھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ مذہب کو قطعی طور سے زندگی پر اپنی گرفت ڈھیلی کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔"

(جلد ۲ ش ۱ صفحہ ۱۵)

گویا جب تک مسلمان مسلمان رہیں گے اس وقت تک وہ جدید ترقی سے محروم رہیں گے۔ البتہ جب مذہب اسلام کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا، اس دن انہیں ترقی نصیب ہوگی۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے "روایتی اسلام" کی جگہ "ماڈرن اسلام" پیش کیا اور اسکی ماڈرن تعریف بھی کر ڈالی، یعنی:

"اسلام چند مثالی معیارات اور نصب العینوں کا نام ہے۔ جن کو مختلف معاشرتی مظاہر اور

احوال میں ترقی پسندانہ طور پر عملی جامہ پہنانا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کو صحیح طور پر سمجھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام نے اپنے عملی اظہار کے لئے ہمیشہ نو بنو اور تازہ بتازہ شکلیں تلاش کی ہیں اور وہ اسے ملتی رہی ہیں۔" (جلد ۲ ش ۱۱ صـ ۶۹۶)

یہ گرگٹ کی طرح ہر لحظہ نو بنو اور تازہ بتازہ شکلیں تبدیل کرنے والا اسلام، ادارۂ تحقیقات اسلامی کے مفکروں نے کہاں سے ڈھونڈ نکالا۔! کیا قرآن، سنت سے۔؟ یا کسی امام و فقیہ یا کسی صحابی و تابعی کے قول سے۔؟ جی نہیں: بلکہ تاریخ ثقافت اسلامی کے بعض نامور غیر مسلم محققین نے جیسے کہ جی فان گرونبوم ہیں۔ یہ نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔" (جلد ۲ ش ۱۲ صـ ۷۷۹)

اور ان ہی بعض نامور غیر مسلم محققین سے سیکھ کر ادارۂ تحقیقات اسلامی نے اسے تجدد پسندی کے نقار خانہ میں شامل کر لیا، تاکہ دورِ حاضر کے جس نظریۂ حیات کی شکل میں دل چاہے اسلام کو تبدیل کیا جاتا رہے۔ گویا خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

۲۔ خدا تعالیٰ، وحی اور قرآن

۱۔ علم الٰہی | اب اس اسلام جدید یا ماڈرن اسلام کے چند اصول و فروع ملاحظہ فرمائیے۔۔
خدائے عالم الغیب والشہادۃ کے بارے میں فیصلہ کیا جاتا کہ "اسے صرف اسی قسم کی پیشگوئی کا حق ہے: جس قسم کی پیشگوئی ایک عام آدمی اپنی دانش و بینش اور تاریخی بصیرت کی بنا پر کر سکتا ہے۔" اس سے بالاتر پیشگوئی چونکہ خدا کی طرف سے قبول نہیں کی جا سکتی اس لئے وہ تمام احادیث صحیحہ جن میں صراحۃً یا ضمناً پیشگوئی کی نوعیت پائی جاتی انہیں ادارہ تحقیقات رد کر دیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو فکر و نظر جلد ا ش ۵ صـ ۱۹)

۲۔ وحی اور نبی | وحی اور نبی کے بارے میں ادارۂ تحقیقات کی جانب سے یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ:
"وحی ہو یا نبی کا عمل، وہ تاریخ کے ان واقعات سے بے نیاز نہیں ہو سکتے جو فوری طور پر انہیں پیش آتے ہیں، چہ جائیکہ وہ خالص کلیات کے استنباط کیطرف توجہ دے سکیں۔" (جلد ا ش ا صـ ۱۱)

۳۔ قرآن و سنت | قرآنی اور نبوی فیصلوں کے بارے میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کی عدالت عالیہ سے فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ کہ:

۴۔ قانون نہیں، ایک گونہ نظیر | "اس قسم کے واقعات کو جن میں قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ فرمایا۔ نبی کا معیاری نمونہ اور ایک گونہ نظیر تو سمجھا جا سکتا

ہے، اسے متشددانہ طور پر حرف بحرف قانون کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔" (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱ ص ۱)

۵۔ قرآنی احکام زمانۂ نزول کیساتھ خاص تھے۔ "خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا ساحصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے، لیکن خود قرآن مجید کا قانونی یا "قانون ساحصہ" اپنی اس حیثیت کو پورے طور پر واضح کر دیتا ہے، کہ اس کا تعلق خاص حالات و کوائف سے ہے۔" (بعد کی امت ان سے فارغ) (حوالہ مذکور ص ۱۶)

۶۔ نصوص شرعیہ "نصوص قرآن کو اجتہاد کی زد میں لایا جا سکتا ہے، اور بدلا جا سکتا ہے، ورنہ معدودے چند امور کو چھوڑ کر جو بالکل موجودہ زمانے کی پیداوار ہیں۔ قرآن و سنت کی کوئی نہ کوئی نص ہر بات کے لئے موجود ہے۔" (اب اگر پابند نصوص کو لازمی نظریہ کے طور سے تسلیم کر لیا جائے تو بیچارے "ماڈرن اسلام" کو ہمیشہ نو بنو اور تازہ بتازہ شکلیں کہاں سے ملیں گی، اور نامور غیر مسلم محقق "جی فان گرونی بام" کی روح کیسے خوش ہوگی۔) (فکر و نظر جلد ۲ ش ۴ ص ۲۳۳)

۷۔ ابدیت قرآن "درحقیقت ابدیت ان علل اور غایات کو حاصل ہے جو قرآنی احکام کی تہ میں ہیں، اور جو ہمیشہ قرآن سے صراحۃً یا کنایۃً یا سیاقاً، اخذ کی جا سکتی ہیں۔" (حوالہ بالا ص ۲۳۶)

"نصوص قرآن پر، تبدیلی کئے بغیر، اڑے رہنے سے ان کی علت غائی اور مقصد حقیقی کا فوت ہو جانا یقینی ہے۔" (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱، ص ۳)

۸۔ نسخ قرآن قدامت پسندوں کی اصطلاح میں جس طرح دور نبوی میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ جاری تھا، ضروری ہے کہ اب بھی جاری رکھا جائے۔ ورنہ کیا تاریخ کے حالات منجمد کر دئے جائیں گے؟" ملخصاً (فکر و نظر جلد ۱ ش ۱، ص ۳، جلد ۲ ش ۴ ص ۲۳۰)

۳ — مقام نبوت

اب ذرا اس طرف توجہ فرمائیے کہ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے "ماڈرن اسلام" میں ذات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مرتبہ ہے، سنت نبویہ کی کیا حیثیت ہے۔ اور احادیث مقدسہ کی کیا پوزیشن ہے۔؟

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شارع ہونے کا تصور قرون وسطیٰ کی رنگ آمیزی ہے۔ "اگر ہم آنحضرت کی سیرت کو اس "رنگ آمیزی" سے

الگ کر کے دیکھیں جو عہد وسطی کے فقہاء نے پیش کی ہے، تو ہمیں یقینی طور سے ایسا کوئی رجحان نظر نہیں آتا کہ رسول اپنے وسیع ترین مفہوم میں صرف ایک قانون ساز تھے: جو انسانی زندگی کی تمام تفصیلات یعنی انتظامی معاملات بلکہ خالص مذہبی مراسم" تک مہیا کر رہے تھے" (فکر و نظر جلد اش، صلا)

۲۔ نبی نہیں بلکہ اخلاقی مصلح | "درحقیقت جو شہادت موجود ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت "اساسی طور" سے بنی نوع انسان کے" اخلاقی مصلح" تھے۔ (یعنی آپؐ کی اساسی حیثیت نبی کی نہیں بلکہ اخلاقی مصلح کی تھی۔) (حوالہ بالا)

۳۔ وقتی فیصلے | وقتاً فوقتاً کچھ انفرادی فیصلوں کو چھوڑ کر جن کی حیثیت "محض ہنگامی واقعات" کی ہوتی تھی۔ آپؐ نے اسلام کی ترقی کے لئے بہت کم ہی عام قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی" (حوالہ بالا)

۴۔ اصطلاحی قانون ساز نہ تھے۔ | "ابتدائی اسلامی روایات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم آج کل کی اصطلاح کے مطابق وسیع معنوں میں ایسے قانون ساز نہیں کہ دین و دنیا کی ہر بات کے لئے آپؐ قانونی تفصیلات مرتب فرماتے ہوں" (جلد اش ا صلا)

۵۔ اور قومی ریاست، قیاس کہتا ہے۔ | "قیاس یہ کہتا ہے کہ آنحضرت جو وقت وفات تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جد و جہد میں مصروف اور اپنی "قومی ریاست" کی تنظیم میں مشغول رہے۔ ان کو اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کی جزئیات کے لئے قوانین مرتب فرماتے" (فکر و نظر جلد اش ا صلا)

۶۔ زبردست شہادت | "اس امر کی کہ نبوی فیصلے قانون کا درجہ نہیں رکھتے بلکہ صرف ایک گونہ نظیر ہیں۔ جنہیں ہر طرح بدلا جا سکتا ہے۔ ایک زبردست شہادت یہ ہے کہ اوقات نماز اور ان کی جزئیات کے بارے میں آنحضرت نے امت کیلئے کوئی غیر لچکدار اور جامد انداز نہیں چھوڑا" (یعنی اوقات نماز کو بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے۔) (حوالہ بالا)

۷۔ بڑی بڑی پالیسیاں | "محض مذہب یا حکومت سے تعلق رکھنے والی بڑی بڑی پالیسیوں کو طے کرنے یا اہم اخلاقی اصولوں کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے ہی میں آنحضرت نے کوئی اقدام فرمایا ہے" (حوالہ بالا)

۸۔ وہ بھی صحابہ کے مشورہ سے | "لیکن اس کے لئے بھی آپ اکابر صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ یعنی ان کا مشورہ تنہائی میں یا پبلک میں حاصل کر لیا جاتا تھا" (حوالہ بالا)

ان تمام فرضی مقدمات کا نتیجہ ظاہر ہے، کہ اسلام میں خالص وحی الٰہی کے فیصلوں کا سرے سے وجود ہی نہیں، کیونکہ اول تو آپ کو قومی ریاست کی تنظیم کے دھندوں سے (معاذ اللہ) فرصت ہی کہاں تھی کہ اسلام کی ترقی کے لئے آپ کچھ اصول و فروع کی تشریح فرماتے اور پھر جو بڑی بڑی پالیسیاں یا اہم اخلاقی اصول آپ نے طے فرمائے بھی، وہ وحی الٰہی اور فراست نبوت سے نہیں بلکہ سب کے سب صحابہ کرام کے نجی یا پبلک مشورہ سے فرماتے، مزید براں یہ کہ وہ بھی محض وقتی اور ہنگامی تھے، اس لئے بعد کی امت ان کی مکلف نہیں، ہم آگے چل کر بتلائیں گے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اسی عقیدہ کے بارے میں فرمایا، لعنۃ اللہ وملائکتہ والناس اجمعین علی ھذہ العقیدۃ الباطلۃ (اس عقیدہ باطلہ پر خدا کی لعنت، فرشتوں کی لعنت، اور تمام انسانوں کی لعنت)

۴۔ سنّتِ نبوی

سنت نبوی علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کے بارے میں ادارہ تحقیقات اسلامی نے وقتاً فوقتاً جو فتاویٰ صادر فرمائے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

الف ۔۔۔ "سنت نبوی کوئی متعین چیز نہ تھی، نہ اس نے انسانی زندگی کی کوئی تفصیلی راہنمائی کی جیسا کہ عہد وسطیٰ کے اسلامی لٹریچر (حدیث وفقہ) سے سمجھ میں آتا ہے۔" (جلد ۱ ش ۱ صہ ۱۶)

ب ۔۔۔ "سنت صرف کسی خاص جہت کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ منضبط قوانین کا کوئی سلسلہ پیش نہیں کرتی۔" (جلد ۱ ش ۱ صہ ۱۹)

ج ۔۔۔ "پہلے سے فیصلے تیار کر لینے کا اصول رسول کی اجمالی تعلیمات کے خلاف ہے۔" (حوالۂ بالا) (شاید رسول کی مخالفت ہی کے جذبہ سے ادارہ تحقیقات جامع کتاب مرتب کرنا چاہتا ہے۔)

د ۔۔۔ "سنت ایک عمومی محیط تصور اور تعاملی اصطلاح ہے۔" (جلد ۱ ش ۱ صہ ۱)

ہ ۔۔۔ "سنت کے مشمولات کا بڑا حصہ ماقبل اسلام کے رسوم و رواج کے تسلسل پر مشتمل ہے، جس میں عربوں کا بڑا حصہ ہے۔" (جلد ۱ ش ۱ صہ ۱۱)

و ۔۔۔ "سنت کا ایک بڑا حصہ قدیم فقہائے اسلام کے "آزادانہ غور و فکر" کا نتیجہ ہے۔" (حوالۂ بالا)

ز ۔۔۔ "قدیم فقہاء نے سنت نے بیرونی عناصر کو بھی سنت میں شامل کر دیا جو یہودی روایات اور بازنطینی و ایرانی انتظامی معاملات سے ماخوذ تھے۔" (جلد ۱ ش ۱ ص)

ح ۔۔۔ "سنت کا اطلاق صدر اول میں سنت نبوی پر ہی ہوتا تھا، تاہم مسلمانوں کا عمل سنت نبوی کے تصور سے الگ نہ تھا بلکہ اسی میں داخل تھا۔" (جلد ۱ ش ۱ ص ۲۵)

ط ۔۔۔ "صدر اول کی سنت کا مجموعہ بڑی حد تک مسلمانوں ہی کا پیدا کردہ تھا۔" (اسلام مخلوق مسلمانان ہے) (حوالۂ بالا)

ی ۔۔۔ "سنت کی تخلیق، پیدائش۔ کا ذریعہ شخصی اجتہاد تھا۔" (حوالۂ بالا) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باقی آئندہ

از حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند

مشاہیر دارالعلوم دیوبند

اور

ان کی ملّی و قومی خدمات

۱ــــ حضرت مولانا سید احمد حسن صاحب امروہوی ؒ

آپ حضرت نانوتوی ؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے اور جلیل القدر محدث تھے۔ آپ مدرسہ جامع مسجد امروہہ میں جسے حضرت نانوتوی ؒ نے قائم فرمایا تھا، ایک طویل عرصہ تک بحیثیت صدرالمدرسین فائز رہے اور آخر عمر تک درس حدیث میں منہمک رہے، آپ علوم قاسمیہ کے امین تھے اور ان کی ترویج میں عمر بھر نمایاں حصہ لیتے رہے۔ اپنی مخصوص صلاحیتوں کے لحاظ سے آپ علوم قاسمیہ کی مجسم تصویر اور بالفاظ دیگر حضرت نانوتوی ؒ کے مثیل شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کا فیضان علمی دور دور تک پہنچا، اور سیکڑوں طالب علم آپ کے درس سے عالم و فاضل بن کر نکلے۔ عالم بے مثل حضرت مولانا عبدالرحمٰن خاں صاحب خورجوی ؒ مفسر شہیر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ؒ امروہی اور اس قسم کے دوسرے اور بھی بہت سے ماہرین علم و فضل آپ کے تلامیذ ہیں جن سے علم دین پھیلا اور ایمان و عرفان کا رنگ دلوں میں جما۔

۲ــــ حضرت مولانا نواب محی الدین خاں صاحب ؒ

آپ بھی حضرت نانوتوی ؒ کے مخصوص تلامذہ اور جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ریاست بھوپال میں آپ مفتی کے عہدے پر فائز رہے۔ آپ کے علم اور پاکیزہ زندگی سے بھوپال اور اسکی ریاست نے برہا برس فیوض و برکات حاصل کئے۔ آپ گھر کے نواب اور امراء میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد بادشاہ دہلی ظفرشاہ کے مصاحبین خاص میں سے تھے۔ اور حضرت نانوتوی ؒ کے معتقد تھے۔

حضرت نانوتویؒ نے جہاد کے سلسلہ میں ان ہی کے ذریعہ بادشاہ تک اپنی اسکیم پہنچائی تھی۔ شاہ ظفر جب انگریزوں کے خلاف اٹھے تو ایک جنگی مورچہ پر ممدوح بھی سربراہ تھے۔

۳۔۔۔۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے باضابطہ مفتی بلکہ دارالعلوم میں دارالافتاء کا نقطۂ آغاز ہیں۔ دارالعلوم میں دارالافتاء کی منضبط صورت آپ ہی کے وجود باجود سے معرض وجود میں آئی۔ آپ عارف باللہ، صاحب درس وتدریس، صاحب بیعت وارشاد اور مربی اخلاق بزرگ تھے۔ آپ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے۔ جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ آپ سے دارالعلوم کے حلقوں نے ظاہری وباطنی فیوض وبرکات کافی حد تک حاصل کئے۔ افتاء کی خدمات کے ساتھ ساتھ حدیث، فقہ اور تفسیر کے اونچے اسباق بھی آپ پڑھاتے تھے۔ جلالین شریف میں احقر ناکارہ کو بھی حضرت مفتی اعظمؒ ہی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی کافی پھیلا۔ آپ ہی کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھیؒ تھے جن کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی ہیں۔ جن سے عرب اور افریقہ میں نقشبندیہ طریق کا کافی شیوع ہوا اور سینکڑوں کی اصلاح ہوتی ساؤتھ افریقہ اور ایسٹ افریقہ کے لوگ جب حج کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ تو اکثر وبیشتر مولانا بدر عالم صاحب مدظلہٗ کے حلقہ بیعت میں داخل ہو کر جاتے ہیں۔ ابتداء میں حضرت مفتی اعظمؒ ہی حضرت مہتمم صاحب کی غیبت میں نہایت اہتمام کے فرائض انجام دیتے تھے۔ بہرحال دارالعلوم آپ کے علم، سلوک، افتاء اور انتظام وغیرہ سے سارے ہی شعبوں میں مستفید ہوتا رہا ہے۔

۴۔۔۔۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

آپ حکیم الامت، مشہور محدث، عارف باللہ، فقیہ اور بزرگ تھے۔ آپ دین کے ہر شعبہ کے کاموں کے لئے من اللہ موفق تھے۔ ۲۵ برس کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں درس قرآن و حدیث دیا۔ جس سے آپ کے تلامذہ ملک کے ہر خطے میں پھیل گئے۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ وتبلیغ نہ فرمایا ہو، تصنیف کے میدان میں قدم رکھا تو ہر علم وفن میں ہزار سے اوپر تصانیف ورثہ میں چھوڑیں۔ آخر میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مقیم ہوئے تو ہندو بیرون ہند کے ہزارہا انسانوں کو بیعت وارشاد کے سلسلے سے واصل فرمایا۔ بڑی تعداد میں آپ کے خلفاء ہیں جنہوں نے

مختلف خطوں میں اصلاح و تربیت کا کام مختلف رنگوں سے انجام دیا۔ آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اولین صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سے زیادہ مستفید ہیں۔ جو حدیث و تفسیر میں حضرت نانوتویؒ سے بھی مستفید ہیں۔ نیز آپ حضرت نانوتویؒ سے براہ راست بھی بعض تفسیری درسوں میں مستفید ہوئے۔ حکیم الامت کا لقب آپ کے لئے اسم بامسمّٰی تھا۔ بہرحال آپ کی تقریر، تحریر، تصنیف اور تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح ہوئی۔ آپ دار العلوم میں اس سال بغرض حصول تعلیم تشریف لائے تھے جس سال حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوا۔ اس لئے حضرت نانوتویؒ سے مزید استفادہ نہیں فرما سکے۔ مگر حضرت کے تلامذہ مثلاً حضرت شیخ الہند حضرت مولانا عبد العلی صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے استفادہ کمالات کیا۔

۵ —— حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دار العلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرسین تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ علم و فضل کے ساتھ غیر معمولی مقبولیت رکھتے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔ علم سے فراغت کے بعد اپنے والد مرحوم کے ساتھ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ طیبہ پہنچے اور اٹھارہ سال مدینہ طیبہ میں رہ کر مختلف علوم و فنون اور بالخصوص حدیث شریف کا درس دیا۔ زندگی زندگی کمال زہد و قناعت کی تھی جو کمال صبر و تحمل سے اس مدت میں بسر ہوئی۔ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۲۶ھ میں دار العلوم میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۲۹ھ تک درس دیا۔ پھر اسی سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور اسی سال مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ حجاز ہی میں اسیر کر کے مالٹا بھیج دئے گئے۔ ۱۳۳۸ھ میں مالٹا سے رہا ہو کر حضرت شیخ الہندؒ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے۔ اور اسی سال اکابر کے حکم سے جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں ہی جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا۔ سلہٹ میں آپ ۱۳۴۵ھ تک قیام پذیر رہے۔ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ڈابھیل تشریف لے جانے پر آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے۔ آپ بڑے درجہ کے محدث تھے۔ حدیث کے مشہور اسکالر تھے۔ آپ کا درس حدیث بہت مقبول تھا۔ کئی تصانیف فرمائیں جو سیاست اور تصوف پر ہیں۔ ۱۳۷۵ھ

سے ۱۳۵۰ھ تک تیس ۳۲ برس دارالعلوم میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے۔ اس دوران میں ۸۲۳ طلبہ نے آپ سے بخاری اور ترمذی پڑھ کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ ان تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنی ہمت مردانہ سے سیاسی کام بھی پوری تندہی سے انجام دیتے رہے۔ اسی دوران میں آپ جمعیۃ العلماء ہند کے بار بار صدر بنائے گئے۔ آپ جمعیۃ العلماء اور کانگریس کے قائدین میں سے تھے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ کئی مرتبہ جیل گئے اور آخر کار ملک کو آزاد کرایا۔ بہر حال مجموعی حیثیت سے آپ عالم، فاضل، شیخ وقت، مجاہد، جفاکش، جری اور اولو العزم فضلاء دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔

۶ــــ مولانا حکیم عبدالوہاب صاحبؒ یوسف پوری (ضلع غازی پور) المعروف بہ حکیم نابینا

آپ دلی کے مشہور طبیب، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید اور علوم دینیہ کے ماہر تھے۔ نابینائی کی حالت میں تحصیل علم کی، اور مہارت تامہ پیدا کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ انہیں کی طالب علمی کے زمانہ میں یورپ کا ایک سیاح دارالعلوم دیکھنے آیا، تو اس نے واپس ہو کر یورپ کے اخبارات میں دارالعلوم کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ دارالعلوم میں پہنچ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ ایک نابینا طالب علم اپنے ساتھیوں کو اقلیدس کا تکرار کرا رہا تھا اور اقلیدس کی مشکل شکلیں سامنے کے طالب علم کی کمر پر انگلی سے کھینچ کھینچ کر اسے سمجھا رہا تھا۔ یہ طالب علم یہی حکیم عبدالوہاب صاحب تھے۔ بعد تعلیم حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ سے بیعت کی اور حضرت کی صحبت سے مستفید ہو کر باطنی کمال پیدا کیا۔ خود مجھ سے ایک دفعہ ذکر فرمایا کہ میں نے طب پڑھنے کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ ذریعۂ معاش کے طور پر میں نے طب پڑھ لی ہے لیکن اطباء مریض کا چہرہ مہرہ دیکھ کر، قارورہ دیکھ کر اور دوسرے مشاہدات سے مرض کی تشخیص کرتے ہیں، لیکن میں نابینا ان تمام مشاہدات سے معذور ہوں اور چاہتا ہوں کہ معاش اس فن (طب) سے پیدا کروں۔ اس لئے میرے حق میں دعا فرما دیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اللہ تمہیں نباضی کی مہارت عطا فرمائیں گے اور تم نبض دیکھ کر وہ تمام باتیں معلوم کرو گے جو دوسرے اطباء مشاہدات سے معلوم کرتے ہیں۔ یہ قصہ سنا کر فرمایا کہ الحمد للہ میں اپنے شیخ کی اس کرامت کو روزانہ مشاہدہ کرتا ہوں اور نبض پر ہاتھ رکھتے ہی مجھ پر مرض اور مریض کے احوال کی تمام نوعیتیں منکشف ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ان کی نبض شناسی کی مہارت اس درجہ میں پہنچ چکی تھی کہ باپ یا بھائی کی نبض دیکھ کر بیٹے اور دوسرے بھائی کے احوال مرض بتا دیا کرتے تھے۔ باوجود علمی استحضار کے شغل آخر تک

طب اور مطب ہی کا غالب رہا۔ اور اسی میں پوری عمر گذاری۔ لوگ شفاء بدن کے ساتھ ان کے تقویٰ و طہارت اور معمولات کی پابندی اور پختگی سے شفاء روح بھی حاصل کرتے تھے۔

۷۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ

سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں۔ علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ آپ تمام علوم منقولات و معقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قوت حافظہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کا درسِ حدیث اپنے دور کا مشہور درس تھا۔ جو ایک خاص امتیازی طرز لئے ہوئے تھا۔ آپ کے تبحر علمی نے درسِ حدیث کو جامع علوم و فنون بنا دیا تھا۔ آپ کے درس نے نقل و روایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لئے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آج بھی نمایاں علماء اور صاحب طرز فضلاء زیادہ تر آپ ہی کے تلامذہ ہیں جو ہند و پاک میں علمی مسندوں کو آراستہ کئے ہوئے ہیں۔ آپ کے یہاں ردِ قادیانیت کا خاص اہتمام تھا۔ اور اس فتنہ کو اعظم الفتن شمار کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کئی معرکۃ الآراء کتابیں خود بھی تصنیف فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں۔ اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے۔ اور کوئی بھی اپنا نوشتہ لاکر سناتا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار فرما کر دعائیں دیتے تھے۔ تقریباً ۱۳۲۷ھ سے آپ نے دارالعلوم میں درس کا آغاز فرمایا ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم کے صدر مدرس رہے۔ اس دوران میں تقریباً ایک ہزار طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن میں سے آپ کے دور صدر مدرسی میں ۸۰۹ طلبہ نے درسِ حدیث لیا۔ اور اس فن پاک کو تقریراً و تحریراً اور درساً و تدریساً دور دور تک پھیلایا۔

//////////////////
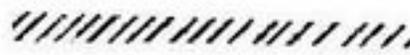
ہمارے معاونین

حسب ذیل حضرات نے الحق کے لئے خریدار مہیا فرمائے جزاہم اللہ عنا و من جمیع المسلمین۔ جناب ایس۔ اے کے راؤ انگلینڈ (۵ خریدار) جناب محمود الحق صاحب حقانی (ایم ایس سی آنرز) (۲ خریدار) حافظ سید احمد شاہ (معیار مردان) (۲ خریدار) جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب فاضل۔ منوانی (۲ خریدار) جناب محمد رمضان صاحب۔ گجرات (۲ خریدار) جناب حافظ انصار فرید۔ کراچی (ایک خریدار) جناب مولانا فضل معبود ازہری۔ پشاور (ایک خریدار) جناب غلام نبی آفریدی۔ اکوڑہ سٹیشن (ایک خریدار) جناب اقبال احمد صاحب۔ تربیلہ (ایک خریدار) جناب ممتاز حسین صاحب۔ کبیر والہ (ایک خریدار) جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم۔ اے (ایک خریدار) جناب قاضی عبد الصمد صاحب سربازی۔ قلات (۲ خریدار) جناب مولانا عبد المجید صاحب مدرس کبیر والا۔ (ایک خریدار)

از جناب وحید الدین خان صاحب

ہمارا ہر قول و فعل اور ارادہ یہاں ریکارڈ ہو رہا ہے

عقیدۂ آخرت

جدید تحقیقات کی روشنی میں

ہمارے تصور کے مطابق زندگی کا بقا مٹنے کی "آمد و رفت" کا نام نہیں ہے جو شیشۂ ساعت (SAND GLASS) کی طرح بس خالی اور پُر ہوتی رہے، اس سے آگے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو۔ بلکہ دوسری زندگی کا ایک عظیم مقصد ہے اور وہ یہ کہ موجودہ دنیا کی اچھائیوں اور برائیوں کا بدلہ دیا جائے عقیدۂ آخرت کا یہ جزو بھی اس وقت بالکل ممکن نظر آنے لگتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں حیرت انگیز طور پر ہر شخص کا نامۂ اعمال رات دن ایک لمحہ کے وقفہ کے بغیر ضبط (RECORD) کیا جارہا ہے۔ آدمی تین شکلوں میں اپنی ہستی کو ظاہر کرتا ہے — نیت، قول اور عمل یہ تینوں چیزیں مکمل طور پر محفوظ کی جارہی ہیں۔ ہمارا ہر خیال، ہماری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اور ہماری تمام کارروائیاں کائنات کے پردہ پر اس طرح نقش ہو رہی ہیں کہ کسی بھی وقت ان کو نہایت صحت کے ساتھ دہرایا جاسکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ دنیا کی زندگی میں کس نے کیا کہا، کس کی زندگی شر کی تھی اور کس کی زندگی خیر کی زندگی۔

جو خیالات ہمارے دل میں گذرتے ہیں۔ ہم بہت جلد انہیں بھول جاتے ہیں۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے۔ مگر جب ہم مدتوں کی ایک بھولی ہوئی بات کو خواب میں دیکھتے ہیں۔ یا ذہنی اختلال کے بعد آدمی ایسی باتیں بولنے لگتا ہے۔ جو ہوش و حواس کی حالت میں اس کی زبان سے نہیں سنی گئی تھیں، تو یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آدمی کا حافظہ اتنا ہی نہیں ہے، جتنا شعوری طور پر وہ محسوس کرتا ہے۔ حافظہ کے کچھ خانے ایسے بھی ہیں جو بظاہر شعور کی گرفت میں نہیں رہتے۔ مگر وہ موجود ہوتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے تجربوں سے ثابت ہوا ہے۔ کہ ہمارے تمام خیالات مستقل طور پر اپنی پوری شکل میں محفوظ رہتے ہیں حتیٰ کہ ہم چاہیں بھی تو انہیں محو نہیں کر سکتے ۔ یہ تحقیقات بتاتی ہیں کہ انسانی شخصیت صرف وہی نہیں ہے، جسے ہم شعور کہتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس نفس انسانی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے۔ جو ہمارے شعور کی سطح کے نیچے موجود رہتا ہے ۔ یہ حصہ جسے فرائڈ تحت شعور (SUB-CONSIOUS) ——— لاشعوری (UNCONSIOUS) ——— کا نام دیتا ہے، یہ ہماری شخصیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ نفسِ انسانی کی مثال سمندر میں تیرتے ہوئے تودہ برف کی سی ہے جس کا صرف نواں حصہ پانی کے اوپر دکھائی دیتا ہے۔ اور بقیہ آٹھ حصے سطح سمندر کے نیچے رہتے ہیں یہی تحت شعور ہے۔ جو ہمارے تمام خیالات اور ہماری نیتوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ فرائڈ اپنے اکتیسویں لکچر میں کہتا ہے،

"منطق کے قوانین بلکہ اضداد کے اصول بھی لاشعور (ID) کے عمل پر حاوی نہیں ہوتے۔
مخالف خواہشات ایک دوسرے کو زائل کئے بغیر اس میں پہلو بہ پہلو ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔۔۔۔
لاشعور میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفی سے مشابہت رکھتی ہو۔ اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ لاشعور کی دنیا میں فلسفیوں کا یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارے تمام دماغی افعال وقت اور فاصلہ کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ لاشعور کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو وقت کے تصور سے مطابقت رکھتی ہو۔ لاشعور میں وقت کے گزرنے کا کوئی نشان نہیں اور یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے جس کے معنی سمجھنے کی طرف ابھی تک فلسفیوں نے پوری توجہ نہیں کی کہ وقت کے گذرنے سے ذہنی عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایسے خیالات جو کبھی لاشعور سے باہر نہیں آئے بلکہ وہ ذہنی تاثرات بھی جنہیں روک کر لاشعور میں دبا دیا گیا ہو، فی الواقع غیر فانی ہوتے ہیں اور دسیوں سال تک اس طرح محفوظ رہتے ہیں گویا ابھی کل وجود میں آئے ہیں؛"

تحت شعور کا یہ نظریہ اب نفسیات میں عام طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر بات جو آدمی سوچتا ہے۔ اور ہر اچھا یا برا خیال جو اس کے دل میں گزرتا ہے، وہ سب کا سب نفسِ انسانی میں اس طرح نقش ہو جاتا ہے۔ کہ پھر کبھی نہیں مٹتا۔ وقت کا گزرنا یا حالات کا بدلنا اس کے اندر ذرہ برابر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ یہ واقعہ انسانی ارادہ کے بغیر ہوتا ہے۔ خواہ انسان اسے چاہے یا نہ چاہے۔

فرائڈ یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہ نیات اور اعمال کا اس احتیاط اور حفاظت کے ساتھ تحت شعور

یہ اور اس طرح کے دوسرے تجربوں سے ثابت ہوا ہے۔ کہ ہمارے تمام خیالات مستقل طور پر اپنی پوری شکل میں محفوظ رہتے ہیں حتیٰ کہ ہم چاہیں بھی تو انہیں محو نہیں کر سکتے۔ یہ تحقیقات بتاتی ہیں کہ انسانی شخصیت صرف وہی نہیں ہے، جسے ہم شعور کہتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس نفس انسانی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے۔ جو ہمارے شعور کی سطح کے نیچے موجود رہتا ہے۔ یہ حصہ جسے فرائڈ تحت شعور ——— (SUB-CONSIOUS) ——— لاشعوری (UNCONSIOUS) کا نام دیتا ہے، یہ ہماری شخصیت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ نفسِ انسانی کی مثال سمندر میں تیرتے ہوئے تودہ برف کی سی ہے جس کا صرف نواں حصہ پانی کے اوپر دکھائی دیتا ہے۔ اور بقیہ آٹھ حصے سطح سمندر کے نیچے رہتے ہیں یہی تحت شعور ہے۔ جو ہمارے تمام خیالات اور ہماری نیتوں کو محفوظ رکھتا ہے۔ فرائڈ اپنے اکتیسویں لکچر میں کہتا ہے،

"منطق کے قوانین بلکہ اضداد کے اصول بھی لاشعور (ID) کے عمل پر حادی نہیں ہوتے۔

مخالف خواہشات ایک دوسرے کو زائل کئے بغیر اس میں پہلو بہ پہلو ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔۔۔۔ لاشعور میں کوئی ایسی چیز نہیں جو نفی سے مشابہت رکھتی ہو۔ اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ لاشعور کی دنیا میں فلسفیوں کا یہ دعویٰ غلط ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارے تمام دماغی افعال وقت اور فاصلہ کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ لاشعور کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جو وقت کے تصور سے مطابقت رکھتی ہو۔ لاشعور میں وقت کے گزرنے کا کوئی نشان نہیں اور یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے جس کے معنی سمجھنے کی طرف ابھی تک فلسفیوں نے پوری توجہ نہیں کی کہ وقت کے گذرنے سے ذہنی عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایسے خیالات جو کبھی لاشعور سے باہر نہیں آئے بلکہ وہ ذہنی تاثرات بھی جنہیں روک کر لاشعور میں دبا دیا گیا ہو، فی الواقع غیر فانی ہوتے ہیں اور دسیوں سال تک اس طرح محفوظ رہتے ہیں گویا ابھی کل وجود میں آئے ہیں"

تحت شعور کا یہ نظریہ اب نفسیات میں عام طور پر تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر بات جو آدمی سوچتا ہے۔ اور ہر اچھا یا برا خیال جو اس کے دل میں گزرتا ہے، وہ سب کا سب نفسِ انسانی میں اس طرح نقش ہو جاتا ہے۔ کہ پھر کبھی نہیں مٹتا۔ وقت کا گزرنا یا حالات کا بدلنا اس کے اندر ذرہ برابر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ یہ واقعہ انسانی ارادہ کے بغیر ہوتا ہے۔ خواہ انسان اسے چاہے یا نہ چاہے۔

فرائڈ یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہ نیات اور اعمال کا اس احتیاط اور حفاظت کے ساتھ تحت شعور

حرکت کر رہی ہیں، اور نہ ابھی تک اس سلسلے میں کوئی خاص کوشش ہوئی ہے۔ تاہم نظری طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ایسا آلہ بنایا جا سکتا ہے جس سے زمانۂ قدیم کی آوازیں فضا سے لے کر اسی طرح سنی جا سکیں جس طرح ہم ریڈیو سیٹ کے ذریعہ ان لہروں کو فضا سے وصول کر کے سنتے ہیں، جو کسی براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے بھیجی گئی ہوں۔

فی الحال اس سلسلے میں جو مشکل ہے وہ ان کو گرفت کرنے کی نہیں ہے، بلکہ الگ کرنے کی ہے۔ ایسا آلہ بنانا آج بھی ممکن ہے، جو قدیم آوازوں کو گرفت کر سکے۔ مگر ابھی ہم کو ایسی کوئی تدبیر نہیں معلوم جس کے ذریعہ سے بیشمار ملی ہوئی آوازوں کو الگ کر کے سنا جا سکے۔ یہی دقت ریڈیو نشریات میں بھی ہے۔ مگر اس کو ایک مصنوعی طریقہ اختیار کر کے حل کر لیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں سینکڑوں ریڈیو اسٹیشن ہیں ہر وقت مختلف قسم کے پروگرام نشر کرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام پروگرام ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ہر وقت ہمارے گرد و پیش گزرتے رہتے ہیں۔ بظاہر یہ ہونا چاہئے کہ جب ہم ریڈیو کھولیں تو بیک وقت بہت سی ناقابلِ فہم آوازیں ہمارے کمرے میں گونجنے لگیں مگر ایسا نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام نشرگاہیں اپنی اپنی آواز کو مختلف طولِ موج پر نشر کرتی ہیں، کوئی چھوٹی کوئی بڑی۔ اس طرح مختلف نشرگاہوں سے نکلی ہوئی آوازیں مختلف طول کی موجوں میں فضا کے اندر پھیلتی ہیں۔ اب جہاں کی آواز جس میٹر بینڈ پر نشر کی جاتی ہے، اس پر اپنے ریڈیو سیٹ کی سوئی گھما کر ہم وہاں کی آواز سن لیتے ہیں۔

اسی طرح غیر مصنوعی آوازوں کو الگ کرنے کا کوئی طریقہ ابھی دریافت نہیں ہوا ہے۔ ورنہ آج بھی ہم ہر زمانے کی تاریخ کو اسکی اپنی آواز میں سن سکتے تھے۔ تاہم اس سے یہ امکان قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے، کہ آئندہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔ اس تجربہ کی روشنی میں نظریۂ آخرت کا یہ جزو ہمارے لئے بعید از قیاس نہیں رہتا کہ انسان جو کچھ بولتا ہے، وہ سب ریکارڈ ہو رہا ہے، اور اس کے مطابق ایک روز ہر شخص کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ ایران کے سابق وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق ۱۹۵۳ء میں جب مقدمے کے دوران میں نظر بند تھے تو ان کے کمرے میں خفیہ طور پر ایسی ریکارڈنگ مشینیں لگا دی گئی تھیں جو ہر وقت متحرک رہتی تھیں اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو ریکارڈ کر لیتی تھیں تاکہ عدالت میں ان کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ ہمارا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسی طرح ہر شخص کے ساتھ خدا کے فرشتے یا دوسرے لفظوں میں بہت سے غیر مرئی "حافظین" (RECORDER) لگے ہوئے ہیں جو ہمارے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو نہایت درجہ صحت کے ساتھ کائنات کی پلیٹ پر نقش کر رہے ہیں۔

اب عمل کے مسئلہ کو لیجئے۔ اس سلسلہ میں بھی ہماری معلومات حیرت انگیز طور پر اس کا ممکن الوقوع ہونا ثابت کرتی ہیں۔ سائنس بتاتی ہے کہ ہمارے تمام اعمال خواہ وہ اندھیرے میں کئے گئے ہوں یا اجالے میں، تنہائی میں ان کا ارتکاب ہوا ہو یا مجمع کے اندر، سب کے سب فضا میں تصویری حالت میں موجود ہیں اور کسی بھی وقت ان کو یکجا کرکے ہر شخص کا پورا پورا کارنامۂ حیات معلوم کیا جا سکتا ہے۔

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ ہر چیز خواہ وہ اندھیرے میں ہو یا اجالے میں ٹھہری ہوئی ہو یا حرکت کر رہی ہو، وہ جہاں یا جس حالت میں ہو، اپنے اندر سے مسلسل حرارت خارج کرتی رہتی ہے۔ یہ حرارت چیزوں کے ابعاد و اشکال کے اعتبار سے اس طرح نکلتی ہے کہ وہ بعینہٖ اس چیز کا عکس ہوتی ہے جس سے وہ نکلتی ہے۔ جس طرح آواز کی لہریں اس مخصوص تھرتھراہٹ کا عکس ہوتی ہیں۔ جو کسی زبان پر طاری ہوتی تھی۔ چنانچہ ایسے کیمرے ایجاد کئے گئے ہیں جو کسی چیز سے نکلی ہوئی حرارتی لہروں (HEAT WAVES) کو اخذ کرکے اس کی اس مخصوص حالت کا فوٹو تیار کر دیتے ہیں، جب کہ وہ لہریں اس سے خارج ہوئی تھیں۔ مثلاً میں اس وقت ایک مسجد میں بیٹھا ہوا لکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا، مگر یہاں اپنی موجودگی کے دوران میں میں نے جو حرارتی لہریں خارج کی ہیں، وہ بدستور موجود رہیں گی، اور حرارت دیکھنے والی مشین کی مدد سے خالی شدہ مقام سے میرا مکمل فوٹو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس وقت جو کیمرے بنے ہیں وہ چند گھنٹے بعد ہی تک کسی لہر کا فوٹو لے سکتے ہیں۔ اس کے بعد کی لہروں کا عکس اتارنے کی طاقت ان میں نہیں ہے۔

ان کیمروں میں انفرارڈ شعاعوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ اندھیرے اور اجالے میں یکساں فوٹو لے سکتی ہیں۔ امریکہ اور انگلینڈ میں اس دریافت سے کام لینا شروع ہو گیا ہے۔ چند سال پہلے کی بات ہے۔ ایک رات نیویارک کے اوپر ایک پراسرار ہوائی جہاز چکر لگا کر چلا گیا۔ اس کے ذرا بعد مذکورہ بالا کیمرے کے ذریعہ فضا سے اس کی حرارتی تصویر لی گئی۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا کہ اڑنے والا جہاز کس ساخت کا تھا۔ (ریڈرز ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۶۰ء) اس کیمرے کو مصوّرِ حرارت (EVAPORAGRAPH) کہتے ہیں۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستان ٹائمس نے لکھا تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ ہم تاریخ کو پردۂ فلم پر دیکھ سکیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پچھلے ادوار کے بارے میں ایسے انکشافات ہوں جو ہمارے موجودہ تاریخی نظریات کو بالکل بدل ڈالیں۔

یہ ایک حیرت انگیز دریافت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح فلم سٹوڈیو میں نہایت تیز رفتار کیمرے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی تمام حرکات و سکنات کی تصویر لیتے رہتے ہیں، اسی طرح عالمی پیانے پر ہر شخص کی زندگی فلمائی جا رہی ہے آپ خواہ کسی کو تھپڑ ماریں یا کسی غریب کا بوجھ اٹھا دیں اچھے کام میں مصروف ہوں یا برے کام کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے ہوں، اندھیرے میں ہوں یا اجالے میں، جہاں اور جس حال میں ہوں، ہر وقت آپ کے تمام عمل کائنات کے پردہ پر نقش ہو رہا ہے، آپ اسے روک نہیں سکتے۔ اور جس طرح فلم اسٹوڈیو میں دہرائی ہوئی کہانی کو اس کے بہت بعد اور اس سے بہت دور رہ کر ایک شخص اسکرین پر اس طرح دیکھتا ہے، گویا وہ عین موقع واردات پر موجود ہو۔ ٹھیک اسی طرح ہر شخص نے جو کچھ کیا ہے۔ اور جن واقعات کے درمیان اس نے زندگی گذاری ہے، اس کی پوری تصویر ایک روز اس کے سامنے اس طرح آسکتی ہے کہ اس کو دیکھ کر وہ پکار اٹھے :

مالهذ الكتاب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها۔	یہ کیسا دفتر ہے جس نے میرا چھوٹا بڑا کوئی کام بھی درج کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔

(کہف ۔ ۵۰)

اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر انسان کا مکمل اعمال نامہ تیار کیا جا رہا ہے، جو خیال بھی آدمی کے دل میں گزرتا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ نہایت صحت کیساتھ ریکارڈ ہو رہا ہے، ہر آدمی کے اردگرد ایسے کیمرے لگے ہوئے ہیں جو اندھیرے اور اجالے کی تمیز کئے بغیر شب و روز اس کا فلم تیار کر رہے ہیں۔ گویا انسان کا قلبی عمل ہو یا لسانی عمل یا عضوی عمل، ہر ایک نہایت باقاعدگی کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔ اس حیرت انگیز صورت حال کی توجیہہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ خدا کی عدالت میں ہر انسان کا جو مقدمہ پیش ہونے والا ہے، یہ سب اس کی شہادت فراہم کرنے کے انتظامات ہیں جو خود عدالت کی طرف سے کئے گئے ہیں، کوئی بھی شخص ان واقعات کی اس سے زیادہ معقول توجیہہ پیش نہیں کر سکتا۔ اب اگر یہ صریح واقعہ بھی آدمی کو آخرت میں ہونے والی باز پرس کا یقین نہیں دلاتا، تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون سا واقعہ ہو گا جو اس کی آنکھ کھولے گا ــــــ

(باقی آئندہ)

از ارشادات حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی
جامعہ اسلامیہ بہاولپور — ۱۲ نومبر ۱۹۹۷ء
ضبط و ترتیب : ادارۃ الحق

روزے کا فلسفہ

اگر تقریر میں کوئی خامی ہو تو جامع کی طرف منسوب کی جائے ۔ "ادارہ"

یاایھاالذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون — اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے ۔ تاکہ تم پرہیزگار (خدا سے ڈرنے والے) بن جاؤ —

برادران اسلام ! آج میں ایک شاہی فرمان یا حکم یعنی فرضیت روزہ کا فلسفہ بیان کرتا ہوں شہنشاہی حکم ہے چاہے دنیا روزہ رکھے یا نہ رکھے نہ حکم کو ذرہ بھر نقصان پہنچتا ہے نہ حاکم کو ۔ اور نہ روزہ رکھنے میں حاکم کا فائدہ ہے ۔ اگر فائدہ ہے تو بھی روزہ رکھنے والے کا ہے ۔ اور اگر نقصان ہے تو بھی اپنا ہے — اللہ تعالیٰ حکیم ہے ، یہ کارخانہ کائنات اس کی حکمت کا گواہ ہے سائنس کیا چیز ہے ۔ قدرت کے قوانین کا جاننا ہر کام میں اس کی حکمت یقینی ہے ۔ اور بعض جگہ قرآن نے اسے بیان بھی کیا ہے ۔ لیکن بنیادی طور پر بندہ کے لئے اپنا عمل اس کے حکمت اور فائدہ جاننے پر موقوف نہیں کرنا چاہئے مثلاً آج اگر ایک افسر نوکر کو کہے کہ فلاں فائل لاؤ اور جواب میں نوکر کہے کہ اس فائل کے لانے میں فلسفہ اور حکمت کیا ہے تو وہ افسر اس وقت اس نوکر کو برخواست کر دے گا ۔ اگر ایک معمولی افسر جو اللہ کے مقابلے میں ایک ذرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا ، اس سے حکمت نہیں پوچھی جاسکتی تو اللہ کے احکام میں کیونکر حکمتیں تلاش کرتے پھریں ۔ دوم یہ اگر انسانی عقل کسی حکم کی حکمت بتلا بھی دے ، تو حکمت سے حکم کی عظمت ختم ہو جاتی ہے اور جب حکم اپنی شان پر قائم رہتا ہے تو اسکی عظمت بھی باقی رہتی ہے ۔ اور پھر اللہ کی حکمتیں بھی کروڑوں ہیں ۔ انسانی علم میں تو صرف ایک آدھ آئے گی ، تو پھر بھی حکم کی عظمت کو نقصان پہنچا ۔ جس طرح اسباب زندگی کا ایک اہم سبب آفتاب ہے ، اسی طرح روحانی زندگی کے لئے سبب قرآن ہے ۔ نہ سورج میں ترمیم ہو سکتی ہے

نہ قرآن میں ترمیم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں وقتی بنائی ہیں وہ ختم ہوجاتی ہیں۔ اور جو دوامی بنائی ہیں وہ اپنے دوام پر قائم ودائم رہتی ہیں۔ جس طرح آفتاب دماہتاب کو قدامت کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اس طرح قرآن اور اس کے احکام ہردم تازہ اور ابدی ہیں۔

ارکانِ اسلام

اسلام کے پانچ رکن ہیں یعنی اسلام کی ہیئت ترکیبی پانچ اجزا سے مرکب ہے۔ جن میں سے ایک روزہ ہے۔ انسان بھی پانچ اجزا سے مرکب ہے۔ جگر، دل، معدہ، دماغ اور روح جو شخصی زندگی میں ایک بنیادی چیز ہے، اور اسی طرح ملی زندگی یعنی اسلام میں بھی بنیادی چیز کلمۂ شہادت یعنی لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اگر یہ جز مکمل نہیں تو کچھ بھی باقی نہیں ————

روزے کا معنیٰ

اسلام سے پہلے صوم کا معنیٰ صرف بندش اور رو کنے کا تھا۔ مثلاً جو گھوڑا گھاس نہیں کھاتا تھا اسے صائم کہتے تھے۔ پھر اسلام نے ایک خاص ہیئت کے ساتھ خاص زمانے میں نیت کے ساتھ چند خواہشات کی بندش کا نام روزہ رکھا۔

روزہ ایک عمل ہے، ہمارے اندر ایمانی مشینری تب گرم ہوگی کہ روزہ کے ذریعہ روحانی قوتوں کو غالب کیا جاسکے اور حیوانی قوت مغلوب ہو۔ روزے کا ایک محرک ہے اور دوسرا اس کا ثمرہ یعنی نتیجہ، اس آیت کریمہ سے دونوں معلوم ہوتے ہیں۔ روزے کا سب سے بڑا محرک ایمان ہے۔ اس لئے آغاز اس سے ہوا کہ —— یاایھا الذین اٰمنوا۔ (اے ایمان والو) —— اور ہر عمل کیلئے حقیقت میں ایمان ہی محرک ہوتا ہے۔

کسان ہل جوتا ہے، بیج ڈالتا ہے۔ یہ مسلسل عمل اس ایمان اور یقین کی وجہ سے کرتا ہے۔ کہ فائدہ حاصل ہوگا۔ غرض کائنات کی ہر قربانی اور محنت کا سبب وہ ایمان اور یقین ہوتا ہے، جو اس عمل کے نتائج کے بارہ میں ہو —— اسی طرح کسی کام کا محرک کبھی کبھی حکم حاکم بھی ہوتا ہے۔ رعایا حاکم اعلیٰ کے حکم پر چلتی ہے، تو حکم حاکم بھی ایک چیز ہے، ورنہ حکم نہ ماننے پر آدمی باغی بنتا ہے۔

حکومتوں کے احکام دو طریقوں پر صادر ہوتے ہیں، کبھی تحریری اور کبھی تقریری تو روزے کا دوسرا محرک قرآن نے حکم حاکم بتایا۔ فرمایا کہ کتب علیکم الصیام۔ (تم پر روزوں کی فرضیت لکھی گئی ہے) گویا سرکاری گزٹ میں اس کا اندراج ہوا ہے۔ تحریری آرڈر ہے، اور عموماً تحریری آرڈر زبانی آرڈر سے سخت ہوتا ہے۔ پھر حکم کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک خصوصی اور ایک عمومی۔ خصوصی حکم وہ ہوتا ہے جو کسی ایک ضلع یا صوبہ کیلئے ہو اور عمومی حکم وہ ہوتا ہے جو بین الاقوامی یا انٹرنیشنل ہو۔ تو روزہ

کے متعلق فرمایا کہ یہ ایک بین الاقوامی فریضہ ہے۔ اور تمام اقوام پر فرض کیا گیا ہے۔
کما کتب علی الذین من قبلکم۔ (جیسے تم سے پہلے امتوں پر فرض کیا گیا ہے) اس سے آگے ثمرہ اور نتیجہ کا بیان ہے کہ لعلکم تتقون۔ (تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔)

ایک ہے تعمیر فرد اور ایک ہے تعمیر ملت۔ مثلاً ایک مشین تب صحیح کام کرے گی کہ اس کا ہر ایک پرزہ ٹھیک ہو، دوم یہ کہ پوری مشین کا ہر ایک پرزہ ٹھیک جگہ پر فٹ بھی ہو۔ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے اور ہر مسلمان اس کا ایک پرزہ ہے۔ ملت کی اصلاح کے لئے پہلے فرد کی تعمیر ضروری ہے۔ تاکہ وہ ملی نظام کے لئے درست پرزہ بن سکے۔ اس کے بعد ملی نظام ہے کہ ایک شخص کو ٹھیک جگہ پر ملت میں فٹ کیا جائے اور اگر تنظیم نہ ہو تو کام بگڑ جائے گا۔ مشرق و مغرب کے تمام ماہرین نفسیات متفق ہیں کہ فرد کے صالح اور کامل ہونے کے لئے بنیادی چیز یہ ہے کہ خواہشات پر حاکم ہو۔۔۔ لذتوں کا غلام اور محکوم نہ ہو۔ لذت بذات خود مقصود نہیں۔ روزانہ آپ دیکھتے ہیں کہ لذت سے مغلوب ہونا نقصان دہ اور اس پر قابو پانا فائدہ مند ہوتا ہے۔ آج دنیا میں کتنے لوگ مریض ہوں گے جنہیں ڈاکٹروں نے کتنی چیزوں سے منع کیا ہوگا۔؟ اب اگر مریض لذت کا محکوم ہو تو یہ مریض بگڑ جائے گا۔ (بلکہ مر جائے گا۔) آج تم دیکھتے ہو کہ بڑی بڑی عدالتیں مجرموں کے لئے بنی ہیں۔ چور کہتا ہے مجھے چوری میں، ڈاکو کہتا ہے مجھے ڈاکہ زنی میں، زانی کہتا ہے مجھے زنا میں لذت ہے تو اگر اپنی اپنی لذت کے مطابق چلنے کی آزادی ہو۔ تو یہ تمام عدالتیں وغیرہ ختم ہو جائیں۔ غرض یہ کہ تعمیر فرد کے لئے بنیادی چیز خواہشات اور لذتوں کو قبضہ میں لانا ہے۔ مگر لذت پر حکومت کیلئے اس سے اعلیٰ لذت کا تصور ضروری ہوتا ہے۔ مریض جو لذیذ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اور ایم۔اے تک جو طلبہ مشکلات برداشت کرتے ہیں۔ تو یہ صرف اعلیٰ لذت صحت اور عہدہ و ملازمت وغیرہ کی خاطر چھوٹی لذتیں قربان کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ لذت اعلیٰ لذت پر قربان کی جائے۔ تب کامیابی ہوتی ہے۔ لذت کی کئی اقسام ہیں۔ ۱۔ لذت مادی۔ ۲۔ لذت حسی یعنی وجدانی۔ ۳۔ لذت اخروی۔ ۴۔ لذت الٰہی۔

لذت مادی وہ ہے جو آجکل انگریز اور یورپین اقوام کے تمام تعلیم و ترقی کا آخری نقطہ نگاہ ہے۔ اور اسکی کئی قسمیں ہیں۔ زبان کی لذت کھانا پینا۔ کان کی لذت اچھی آواز سننا۔ ناک کی لذت اچھی چیزیں سونگھنا وغیرہ مگر بقول حجۃ الاسلام امام غزالیؒ لذت کی ان اقسام میں انسان کیساتھ تمام حیوانات بھی شریک ہیں۔ کیا کیڑا نہیں کھاتا، مکھی نہیں کھاتی، وہ جماع نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے

ہیں۔ اگر مقصد صرف انہی لذتوں کا حاصل کرنا ہوتا تو عجیب بات ہے کہ ایک کیڑا اور امریکی یا روسی صدر اس میں برابر ہیں۔ انسان کی ایک خواہش غلبہ پانے کی ہوتی ہے۔ اور بقول امام غزالیؒ اگرچہ اکثر حیوان انسان کے ساتھ اس خواہش میں شریک نہیں، مگر بعض حیوانات پھر بھی شریک ہیں، جیسے انسان بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی طرح شیر بھی بادشاہ جنگل ہے۔ جنگل کا بادشاہ جو حکم کرتا ہے، مانا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ انسانی بادشاہ ووٹوں کے ذریعہ بادشاہ بنتا ہے اور شیر کے لئے ووٹوں کی بھی ضرورت نہیں۔ بغیر ووٹ اور انتخابات کے بادشاہ ہے۔

تو امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی انسان کا امتیازی مقام نہ ہوا۔ حیوان بھی اس میں شریک ہیں۔ دوسری لذت ہے لذتِ اخروی، اس میں چند چیزیں ہیں، ایک دوام یعنی پائیداری دنیاوی لذتوں میں دوام نہیں۔ آخرت باقی چیز ہے تو اسکی تمام چیزوں میں بھی بقاء کی شان ہے اور دنیا فانی ہے۔ تو ہر چیز میں نشان فنا ہے۔ جب دنیا میں ایک آدمی بھوکا ہو جاتا ہے تو سیر ہو جانے کے بعد اگر اسے بہتر سے بہتر کھانا بھی پیش کیا جائے تو وہ نہیں کھا سکتا —— نیز یہاں کسی اعلیٰ چیز کے کھانے کی لذت صرف ایک دو سیکنڈ تک رہتی ہے۔ جب تک وہ چیز زبان پر رہے، نگلنے کے بعد اور نگلنے سے پہلے کوئی لذت نہیں ہوتی بخلاف جنت کے کھانوں کے کہ اگر لاکھوں چیزیں کھائیں تو طبیعت سیر نہ ہوگی اور اس کا مزہ بھی باقی رہے گا۔ اکلها دائم۔ جنت میں تو عطاءٌ غیر مجذوذ (نہ ختم ہونے والی بخشش) ہے۔ آخری مزہ جسکا نام میں نے وجدانی لذت رکھا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب شطرنج کھیلتا ہے، بسا اوقات دن گذر جاتا ہے اور کھانا یاد ہی نہیں رہتا۔ کھانے کی لذت جیتنے کی لذت پر قربان ہو جاتی ہے یعنی ایک وجدانی لذت دوسری وجدانی پر قربان ہوتی ہے۔ اور روزہ سے یہ دونوں لذتیں لذتِ آخرت پر قربان ہو جاتی ہیں۔

بھائیو! لذتِ حسیہ کو قربان کرو۔ صحابہ کرام سے لیکر آج تک کتنے مسلمانوں نے جہاد کیا ہوگا۔ جہاد میں مال و جان قربان کرنا ہوتا ہے۔ ان الله اشترىٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم بانّ لهم الجنّة۔ (اللہ تعالیٰ مؤمنین کی جان و مال جنت کے بدلے خریدتا ہے) —— ہمارے جہاد کی تاریخ اسکی گواہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے لذتِ اخروی کیلئے کتنی حسی لذتوں کو ٹھکرا دیا۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔ ع

جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

حضورؐ کے زمانہ میں صحابہؓ موت کی تمنا بہت کرتے۔ کیونکہ وہ لذتِ اخروی کے عاشق تھے۔ حتیٰ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ موت کی تمنا مت کرو۔ یہ دعا کرو کہ اے اللہ اگر ہمارے لئے زندگی بہتر ہو تو زندہ رکھ اور اگر مرنا بہتر ہو تو بھی آپ کی مرضی —— (نامکمل)

بارگاہ خداوندی میں

مؤمنین کا تحفہ

ازافادات شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

ترجمہ : خواجہ سید محمد علی الحسینی

تحیات رحمانی کے نام سے ذیل کا مضمون حضرت شیخ المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے ایک نایاب رسالہ "تحصیل البرکات بیان معنی التحیات" کا ترجمہ ہے۔ مترجم کا اسم گرامی خواجہ سید محمد علی حسنی نقشبندی ہے۔ یہ نادر مضمون ہمیں جناب مولانا عبدالحمید صاحب سواتی (گوجرانوالہ) کے ذریعہ موصول ہوا ــــ شیخ دہلوی رح نے اپنے اس مضمون میں اہم ترین فریضۂ عبادت (نماز) کے ایک ضروری رکن (قعدہ) کے اذکار دعاؤں کی جامعیت اور معنویت پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ جس سے آگاہی ہر مسلمان کیلئے مفید اور ضروری ہے۔ ویسے بھی اکابر اور اسلاف کے علمی نوادر اور تبرکات کی اشاعت اور احیاء الحق کے مقاصد میں شامل ہے ــــ (ادارہ)

التحیات ــــ (تمام قولی عبادتیں) ــــ عبادت وکلام کے ذریعہ معبود برحق کی تعریف وحمد تسبیح، تہلیل وتحمید وتکبیر وتقدیس تلاوت واستغفار اور صلوٰۃ وسلام۔

للہ ــــ (اللہ ہی کے لئے ہیں) ــــ اسی معبود برحق کیلئے ہیں جو جامع مستجمع ہے۔ جمیع صفات کمالیہ، جلالیہ وجمالیہ کا۔

والصلوٰت ــــ (اور تمام فعلی عبادتیں) ــــ نماز کی حرکات وہیأت، روزہ، حج، جہاد، صلہ رحمی، تمام افعال نیک اور اعمال صالحہ۔

والطیبات ــــ (اور تمام مالی عبادتیں) ــــ صدقہ، خیرات، زکوٰۃ، نفقہ اور ہر قسم کی مالی امداد۔

یہ تمام عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت ہیں۔ اور یہ ایک رسم وطریقہ ہے۔ کہ جب دنیاوی بادشاہوں

کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، اولاً ان کو سلام کرتے ہیں۔ اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ پھر ان کی خدمت میں عجز و نیازمندی ظاہر کرتے ہیں۔ اور پھر کوئی تحفہ ان کی جناب کے لائق پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی سرکار میں مقبول ہوں اور بادشاہ کی عنایات و توجہات کے قابل بنیں۔

امام نودیؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ کہ تحیت کے متعدد معانی آتے ہیں۔ تحیت کے معنی سلام کے بھی ہیں۔ اور ملک بقا، عظمت اور حیات کے بھی ہیں۔ تحیات اسکی جمع ہے اور اس دعا میں جمع کا لفظ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ہر قسم کے تحیت و سلام کو عام اور شامل ہو جائے کیونکہ اصل مستحق تمام تحیات و تسلیمات کا حق تعالیٰ ہی ہے۔ دنیا کے بادشاہوں میں عرب ہوں یا عجم سب میں تحیت و سلام کی رسم ہمیشہ سے جاری رہی ہے اور ہر گروہ کی ایک مخصوص تحیت تھی جس سے وہ لوگ اپنے آپس میں ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ لہٰذا اس دعا میں التحیات جمع کے لفظ کے ساتھ لاکر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ تمام تحیات اس بادشاہوں کے بادشاہ کے لئے ثابت ہیں جو کہ تمام دنیا جہان کا خالق و مالک ہے۔ اور وہی حقیقت میں تمام تحیات کا مستحق ہے۔ اور دوسروں پر بطریق مجاز اور استعارۃ یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

علامہ کرمانیؒ نے صحیح بخاری کی شرح میں علامہ خطابی سے نقل کیا ہے۔ کہ ہر ملک و سلطنت کی رعایا کے لئے اپنے بادشاہوں سے ملاقات اور ان کی خدمت میں حاضری کے وقت مخصوص کلمات تحیات و سلام کے ہوتے تھے جن سے آداب سلطانی اور تعظیم شاہی بجا لاتے تھے۔ چنانچہ عرب والے انعم اللہ صباحاً خدا تیری صبح اچھی اور خوش عیش کرے، کہا کرتے تھے اور عجم والے "بزی ہزار سال" اور اس جیسے اور الفاظ کہا کرتے لیکن ان الفاظ اور ان جیسے دوسرے الفاظ میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ ان کے ذریعہ بارگاہ احدیت اور درگاہ خداوندی میں تحیت عرض کی جاسکے اس لئے الفاظ کی خصوصیات کو نظر انداز کرکے مطلق تعظیم و تکریم کے معنی ہیں۔ تحیت کا لفظ استعمال کیا گیا۔ تاکہ جناب باری تعالیٰ کے شایان شان ہو جائے۔ اسی لئے تمام لفظی خصوصیتوں اور قیود کو ترک کرکے التحیات للہ کہا یعنی تعظیم و تکریم کی تمام صورتیں اور تمام اقسام اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اور وہی ان کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی کو یہ استحقاق نہیں۔ والصلوات یعنی تمام نمازیں فرض ہوں یا نفل اسی ذات پاک کیلئے پڑھی جاتی ہیں۔ صلوات کے معنی یہاں ہر دعا کے لینے بھی صحیح ہیں۔ یعنی تمام دعوات (دعائیں) اللہ ہی سے مانگی جاتی ہیں۔ اور وہی ان کو قبول فرماتا اور پورا کرتا ہے۔ اور صلوات کے معنی رحمت کے بھی لئے جانے صحیح ہیں۔ یعنی تمام رحمتیں اور انعام و افضال اسی کی طرف

سے ہیں اور وہی رحمان ورحیم ہے۔ کہ دنیا میں ہر مومن وکافر پر اسکی رحمت عام ہے۔ اور آخرت میں بھی اسکی رحمتیں مومنین کے لئے عام اور شامل ہیں۔ والطیبات سے کلمات طیبہ، ہر قسم کی پاکیزہ باتیں، اور اعمال صالحہ ہر نوع کے بہترین افعال۔ دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ والطیبات کے جو معنی بھی مراد لئے جائیں صحیح ہیں۔ اور اس مقام کے مناسب۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــ (سلامتی ہو آپ پر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ پاک کی رحمت ہو اور اس پاک ذات کی برکتیں آپ پر ہوں۔)

اللہ پاک نے مومنین کو قرآن مجید میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم فرمایا ہے۔ یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اور خود حق تعالیٰ اور ان کے فرشتے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے اور پڑھتے ہیں۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی۔ سلام کی کیفیت اور اس کا نفظیہ ہے۔ اور صلوٰۃ کی کیفیت تشہد کے آخر میں ذکر کی جائے گی۔ کیونکہ صلوٰۃ (درود شریف) تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ السلام علیک۔ الخ یہ سلام کا صیغہ ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے قرآنی حکم وسلموا تسلیما کی تعمیل ہوتی ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ اس لفظ سلام میں خطاب کا صیغہ آیا ہے۔ یعنی السلام علیک "سلام ہو تم پر۔ اور خطاب حاضر کو ہوا کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر جس مقام سے سلام کہنے والا سلام کہتا ہے۔ حاضر وموجود نہیں ہیں۔ پھر اس خطاب کا استعمال کرنا کیسے صحیح ہے۔؟ لہٰذا اسکی توجیہہ بیان ہونی چاہیئے۔ کہ اس کے استعمال کی صحیح صورت کیا ہے۔؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ لفظ اسلام اسی طرح لفظ خطاب کے ساتھ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوا تھا۔ لہٰذا ان لفظوں کو بعینہٖ محفوظ اور باقی رکھا اور ان میں کسی قسم کا کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں کی۔ صحیح بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں سلام صیغہ خطاب کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صیغہ خطاب کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ والسلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھتے تھے۔

فائدہ :۔ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ کہ جو بندۂ مومن کسی مقام سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا اور پڑھتا ہے۔ آپ بہ نفس نفیس خود اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ یعنی سلام پڑھنے والے کے سلام کا آپ کی خدمت مبارک میں پہنچنا اور پھر آپ کا اسکو سلام کا جواب مرحمت فرمانا ایسی مضبوط ومستند بات ہے جس میں کسی کو رد وانکار کی گنجائش نہیں۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب کن لوگوں کو دیتے ہیں۔ آیا صرف ان

لوگوں کو جو آپ کے روضۂ مطہرہ پر حاضر ہو کر آپ کی قبر شریف کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور آپ کی قبر مبارک کے سامنے حاضر ہو کر داخل مجلس کی طرح سلام عرض کرتے ہیں یا آپ کا جواب دینا سب کو عام ہے۔ اور ان سلام پڑھنے والے نمازی اور غیر نمازی سب کو بھی شامل ہے۔ جو التحیات و تشہد میں سلام عرض کرتے ہیں۔ اور السلام علیك ایها النبي ورحمة الله وبركاته، پڑھتے ہیں۔ شیخ عبد الحق فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا سب کو عام اور شامل ہے اس میں نمازی غیر نمازی نزدیک اور دور کسی کی تخصیص نہیں ہر ایک سلام بھیجنے والے کو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں، صحیح بات یہ ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ زائرین اور وہ لوگ جو روضۂ پاک پر حاضر نہیں اور دنیا کے کسی حصہ میں اپنے اپنے مقام پر موجود رہ کر سلام عرض کرتے ہیں۔ نماز کے علاوہ تو وہ ان کا سلام آپ کو ان فرشتوں کے ذریعہ حق تعالیٰ نے صرف اسی لئے مقرر فرمایا ہے۔ اسے پہنچا دیتے ہیں۔ جن کا نام ملائکہ سیاحین ہے۔ اور جن کا کام ہے کہ آپ کی امت میں سے آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے اور پڑھنے والوں کا صلوٰۃ وسلام آپ کی خدمت میں پہنچائیں۔ چنانچہ دنیا کے کسی حصہ میں کسی وقت بھی آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے۔ فرشتوں کی یہ جماعت جو اسی کام پر مامور ہے پڑھنے والے کے صلوٰۃ وسلام کو اس کے اور اس کے باپ کے نام کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور آپ اس کا جواب دیتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کے متعلق یہ تمام باتیں صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ اور ان میں کوئی شائبہ شک وشبہ کا نہیں۔ واللہ اعلم

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین ــــــ (سلام ہو ہم (گنہگاروں پر) اور اللہ پاک کے ان بندوں پر جو نیکوکار اور فرمانبردار ہیں۔)

یہاں پر بظاہر ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ سلام شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ یعنی السلام علیك ایها النبي ورحمة الله وبركاته، ــــ جیسا کہ مشہور ہے۔ تو اس کا جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے درگاہ رب العزت میں پیش ہونا چاہیے تھا۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ پر سلام بھیجنا چاہیے۔ مگر ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ سلام دعا ہے۔ سلامتی کی آفات و مکروہات سے اور اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے آفات و مکروہات سے اور مستغنی ہے اس سے کہ اس کیلئے سلامتی کی دعا کی جاوے۔ کیونکہ وہ خود اسلام ہے یعنی سلامتی دینے والا ہے۔ اور تمام سلامتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ تو بجائے اس کے کہ اس ذات پاک کے لئے سلامتی طلب کی جاوے۔ جو سلام کے جواب میں مطلوب ہوتی ہیں۔ اس مالک ذوالجلال کے بندگان خاص اور

مقربان درگاہ پر سلام بھیجا گیا اور اپنے لئے اور ان عباد صالحین کے لئے سلامتی طلب کی گئی جو اس سلام کے دامن عزت وجلال سے وابستہ ہیں۔ اسکی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام نے نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اللہ تعالیٰ پر سلام بھیجا اور یہ دعا پڑھی السلام علی اللہ من عبادہ وعلی جبریل ومیکائیل وعلی فلاں وفلاں ۔ یعنی سلام اور سلامتی ہو اللہ پر بندوں کی جانب سے اور سلامتی ہو جبریل ومیکائیل پر اور دوسروں پر۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کیطرف دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تو خود سلام ہے، اور دوسروں کو سلامتی دینے والا ہے۔ اس پر سلامتی بھیجنے کے کیا معنی ہیں سلام مجھ پر بھیجو اور اللہ پاک کے صالح بندوں پر تاکہ سلامتی ہر صالح بندوں کو جو آسمان یا زمین میں ہے پہنچے اور اللہ کے صالح بندوں میں جبرئیل و میکائیل اور دوسرے فرشتے اور سب لوگ داخل ہیں کسی کے نام کی تخصیص کی ضرورت نہیں اس لئے سلام بھیجنے کے لئے یہ دعا پڑھا کر۔ اور آپ نے التحیات للہ۔ الخ صحابہ کو تعلیم فرمائی۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ـــــ یہ کلمہ شہادت ہے، اور اس کو تشہد بھی کہتے ہیں، اس میں دو شہادتیں ہیں۔ ایک شہادت ہے اللہ کی الوہیت اور خدا کی خدائی کی اور دوسری شہادت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور پیغمبری کی۔ معنی اس کے یہ ہیں گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں: بعض روایتوں سے اشہد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کا لفظ بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس لفظ کو بھی پڑھ لیں تو بلاشبہ درست ہے۔ لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کی بنا پر صحیح روایت وہی ہے۔ جو اول بغیر زیادتی مذکور ہوئی۔

بعض ضروری مسائل

نماز کے آخر میں تشہد کے آخری الفاظ "عبدہٗ ورسولہ" تک پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے، اور اسکو قعدہ اخیرہ کہتے ہیں، قعدہ اخیرہ تمام نمازوں میں خواہ واجب ہوں یا فرض اور سنت ہوں یا نفل سب میں فرض ہے۔ نماز میں تشہد پڑھنے کی حالت میں داہنا پیر کھڑا رکھو اور اسکی انگلیاں قبلہ کی طرف رہیں اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔ بیٹھنے کی حالت میں دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے چاہئیں۔ یہ سب باتیں سنت ہیں اور قعدہ اولیٰ یعنی تین اور چار رکعت والی نمازمیں دو رکعتوں کے بعد تشہد کی مقدار بیٹھنا واجب ہے۔ اور دونوں قعدوں (قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھنا بھی واجب ہے۔

دونوں قعدوں کے تشہد میں اشہد ان لا الہ پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے۔ اور قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا بھی سنت ہے۔ جب اشہد ان لا الہ پر پہنچو تو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لو اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی کو بند کر لو اور کلمہ کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو۔ لا الہ پر انگلی اٹھاؤ اور الا اللہ پر جھکا دو اور اسی طرح اخیر تک حلقہ باندھے رکھو۔ تشہد ختم کر کے اگر دو رکعت والی نماز ہے تو درود شریف پڑھو اس کے بعد دعا پڑھو اور پھر حسب قاعدہ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف سلام پھیر و اور اگر تین یا چار رکعت والی ہے نماز ہے، تو تشہد کے بعد درود شریف نہ پڑھو بلکہ تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ اور حسب قاعدہ نماز پوری کرو۔ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں درود شریف کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لئے اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک درود شریف نماز میں پڑھنا سنت ہے۔ مگر اسکو کبھی ترک نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ درود شریف اللہ پاک کے نزدیک ہر حال میں مقبول و محبوب ہے جب کبھی بھی پڑھا جائے خواہ نماز میں پڑھا جائے یا نماز سے باہر درود شریف کی برکت سے نمازوں کی قبولیت کی امید ہے۔ درود شریف کے صیغے احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئے ہیں۔ اگر حسب ذیل درود شریف پڑھا جائے تو یہ بھی کافی ہے۔

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید ــــ (اے اللہ رحمت نازل فرما محمد پر اور ان کی آل پر جیسے کہ رحمت نازل فرمائی تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر، بیشک تو تعریف کا مستحق بڑی بزرگی والا ہے۔)

اور ایک نسخہ میں یہ درود شریف بھی ہے ــــ اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید۔

(اے اللہ برکت نازل فرما محمد پر اور ان کی آل پر، اور برکت نازل فرما اور سلامتی نازل فرما جیسے کہ برکت نازل فرمائی تو نے ابراہیم پر اور ان کی آل پر بیشک تو تعریف کا مستحق بڑی بزرگی والا ہے۔)

درود شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر حق تعالیٰ کی طرف سے رحمت و برکت نازل فرمانے کو تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم اور ان کی آل کے اوپر نازل شدہ رحمت و برکت سے کہ اے اللہ جیسی رحمت و برکت سیدنا ابراہیم اور ان کی آل پر نازل فرمائی ایسی ہی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر نازل کیجئے تو حضور علیہ السلام اور آپ کی آل پر رحمت و برکت مشبہ

ہے۔ اور ابراہیم اور ان کی آل پر رحمت وبرکت مشبہ بہ۔ اور مشبہ بہ کے اندر وجہ تشبیہ کامل اور قوی ہوتی ہے۔ اور مشبہ کے اندر ضعیف وناقص جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب میں شائبہ ترکِ اعظمیت اور افضلیت کا ظاہر ہوتا ہے۔ علماء نے اس کے مختلف اور متعدد جواب دیئے ہیں۔ شیخ عبد الحق فرماتے ہیں، کہ ہم نے بھی ان سب جوابات کو اپنی کتاب جذب القلوب فی دیار المحبوب میں لکھا ہے۔ اور سب سے بہترین جواب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ نفس صلوٰۃ میں ہے اس کی کمیت یا کیفیت میں نہیں، جس سے شائبہ ترکِ ادب کا لازم آئے۔ جیسے کہ آیت شریف انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہٖ الآیۃ[1] (سورہ نساء) کے اندر تشبیہ دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو دوسرے انبیاء کی وحی کے ساتھ کہ اس میں نفس وحی میں تشبیہ دینی مقصود ہے۔ اسکی کمیت یا کیفیت یا قوت وضعف اور کمال ونقص میں تشبیہ نہیں دی گئی۔ اور تشبیہ کے لئے مشبہ میں وجہ شبہ ظاہر ومشہور ہونا ہی کافی ہے۔

نماز کے اندر تشہد اور درود شریف کے بعد حق تعالیٰ سے جو دعائیں مانگی جائیں وہ مقبول ومستجاب

---

[1] وحی اللہ پاک کا کلام اور اس کا حکم ہے جو پیغمبروں کے پاس مخلوق کی ہدایت کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ اللہ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی بھیجی جسطرح انبیائے سابقین پر وحی الٰہی نازل ہوتی تھی۔ تو جس نے انبیائے سابقین کی وحی کو مانا اسکو ضروری ہے کہ اسکو بھی مانے اور جس شخص نے اس آخری وحی کا انکار کیا وہ گویا سب کا انکاری ہوگیا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس آیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد نبیوں کی وحی کے ساتھ کہ جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے نبیوں پر ہم نے وحی بھیجی، اسی طرح تم پر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے وحی نازل کی اس تشبیہ خاص کی وجہ کیا ہے۔ حالانکہ وحی کے انزال وتنزیل کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کے نبیوں پر بھی ہوا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسکی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک جو وحی آتی تھی وہ بالکل ابتدائی حالت میں تھی وہ زمانہ انسانیت کے قوائے ذہنی وعلمی کی تکمیل اور عہدِ طفولیت کی مانند تھا اور حضرت نوح علیہ السلام پر اسکی تکمیل ہوگئی اور اب طفولیت سے نکل کر زمانہ شباب و کہولت جو سن تیز اور عقل وشعور کے کمال وتکمیل کا زمانہ ہے شروع ہوگیا چنانچہ حضرت نوحؑ کے زمانہ سے انسان اپنی ابتدائی تعلیمی حالت سے نکل کر اب اس قابل ہوگیا کہ اس کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جاوے۔ (منہ)

ہوں گی۔ لیکن افضل یہ ہے کہ وہ دعائیں پڑھی جائیں جو قرآن شریف میں مذکور ہیں یا احادیث میں منقول ہیں نماز میں پڑھنے کے لئے حدیث میں ایک یہ دعا وارد ہے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان کے التماس کرنے پر تعلیم فرمائی۔

رب انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم۔ (اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ سوائے تیرے اور کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا پس تو اپنی طرف سے خاص بخشش سے مجھ کو بخشدے اور مجھ پر رحم فرمادے، بیشک تو ہی بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔)

دوسری دعا یہ پڑھی جاتی ہے ـــــ اللھم انی اعوذ بك من فتنۃ عذاب القبر ومن فتنۃ عذاب النار ومن فتنۃ المسیح الدجال ومن فتنۃ المغرم والماثم ومن فتنۃ المحیا والممات واعوذ بك من الفتن ما ظهر منها وما بطن اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم بہ منی [1]

اور قرآن شریف کی یہ دعا ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار [2] بھی پڑھنی چاہیئے کیونکہ یہ دعا اول تو قرآن پاک کی ہے، پھر دوسرے یہ کہ تمام حسنات وبرکات کو دین ودنیا کے شامل اور عام ہے۔ اللھم آمین۔ ●●●

---

[1] اے اللہ میں تجھ سے عذاب قبر اور دوزخ کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال اور قرض وگناہ اور زندگی وموت اور ظاہری وباطنی تمام فتنوں اور آزمائشوں سے۔ اے اللہ میرے اگلے اور پچھلے کھلے اور چھپے تمام گناہ بخشدے اور وہ گناہ جس پر تم مجھ سے زیادہ آگاہ ہے۔ [2] اے اللہ ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی دے اور عذاب دوزخ سے ہمیں بچا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

قادیانی اور عیسائی تبلیغی سرگرمیوں کا

ایک جائزہ

قرآنِ کریم کا بنیادی تقاضا ہے۔ کہ اس کی تعلیمات کو اس انداز سے عام کیا جائے کہ اللہ جل شانہ کا پسندیدہ دینِ اسلام، تمام ادیان پر غالب آجائے۔ اس عظیم مقصد کے لئے سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی جماعت بھیجی گئی۔ نبوت کا دروازہ بند ہوجانے کے بعد یہ فرضِ کفایہ ہر مسلمان پر عائد کر دیا گیا۔ مسلمان جب تک دین سے وابستہ رہے دینِ اسلام دنیا میں تیزی سے پھیلتا رہا اور جب ان کی دین سے وابستگی کم ہو گئی تو ہر طرف بے دینی پھیلنے لگی، اور مسلمانوں کی بجائے دوسرے مذاہب والے تبلیغ کے میدان میں پیش پیش نظر آنے لگے۔ مسلمانوں کی سستی اور غیروں کی چستی کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

مسیحیوں کی کوششیں "مسلم ورلڈ" مکہ کی اطلاع کے مطابق مسیحی تبلیغی ایجنسیوں کی طرف سے اس وقت تک :-

- انجیل کا مکمل ترجمہ دنیا کی ۲۹۷ زبانوں میں ہو چکا ہے۔
- بائیبل اور اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ دنیا کی ۱۲۵۰ زبانوں میں ہو گیا ہے۔
- ان کے بعض ترجمے ایسی زبانوں میں بھی ہوئے ہیں جن کے بولنے والے لاکھوں اور ہزاروں کی تعداد میں نہیں، بلکہ صرف چند سینکڑوں کی تعداد میں کسی پہاڑی جنگل یا چھوٹے سے جزیرے میں رہتے ہیں۔

ٹائمز امریکہ کی اطلاع کے مطابق :-

- اپریل ۱۹۶۰ء تک دنیا میں عیسائیوں کے پروٹسٹنٹ فرقہ کے ۳۸۶۰۶ اور کیتھولک فرقہ کے ۵۱۰۰۰ مشن عیسائیت کی تبلیغ کے لئے دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور اب ان کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

- تبلیغی اغراض کے لئے ہر سال کروڑوں روپیہ دنیا میں مسیحی لٹریچر پھیلانے اور تعلیمی، رفاہی ادارے قائم کرنے پر خرچ کیا جارہا ہے۔
- ان مہمات کے زیادہ تر اخراجات مغرب کے صنعت کار اور سرمایہ دار برداشت کرتے ہیں۔ اور وہاں کی حکومتیں ان کی پشت پناہی کرتی رہتی ہیں۔

قادیانیوں کی کاوشیں | تبلیغی میدان میں مسیحیوں کے بعد قادیانیوں کا نمبر آتا ہے۔ ان کے پاکستانی مرکز ربوہ کے شائع کردہ رسالہ "تحریک جدید" کی رو سے:۔

★ وہ اس وقت تک انگریزی۔ ڈچ۔ جرمن۔ فرانسیسی۔ روسی۔ انڈونیشی اور فینٹی (FANTY) (جو گھانا کی زبان ہے۔) میں قرآنِ مجید کا مکمل ترجمہ کر چکے ہیں۔ اور چند ترجمے تو چھپ بھی گئے ہیں۔ اور باقی زیر طبع ہیں۔

★ انہوں نے قرآنِ کریم کے چند حصوں کا ترجمہ افریقہ کی چار زبانوں ڈینش (DANISH) لوگنڈا (LUGANDA) کیکویو (KIKUYU) یورابا (YORABA) میں بھی شائع کر دیا ہے۔

★ غیر ممالک میں ان کے مندرجہ ذیل جرائد ان کے تبلیغی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

۱۔ نائجیریا سے ہفت روزہ دی ٹرتھ (THE TRUTH)
۲۔ گھانا سے ماہنامہ گائیڈنس (GUIDENCE)
۳۔ سیرالون (SIERA LEONE) (مغربی افریقہ) سے ماہنامہ افریقہ کریسنٹ (AFRICA CRESENT)
۴۔ کینیا سے ماہی ایسٹ افریقن ٹائمز
۵۔ سواحلی (SWAHILI) (مشرقی افریقہ) سے میپنزیا منگو (MAPENZIA MUNGU)
۶۔ موریشس (MAURITIUS) سے انگریزی و فرانسیسی زبان میں ماہنامہ لی میسج (LE MASSAGE)
۷۔ سیلون سے ماہنامہ دی میسج (THE MASSAGE)
۸۔ انڈونیشیا سے ماہنامہ سینارِ اسلام (SENAR-E ISLAM)
۹۔ اسرائیل سے عربی زبان میں البشریٰ
۱۰۔ سوئیٹزرلینڈ سے جرمن زبان میں ماہنامہ دیر اسلام (DER ISLAM)
۱۱۔ لندن سے ماہنامہ مسلم ہیرلڈ (MUSLIM HERALD)
۱۲۔ ہالینڈ سے ڈچ زبان میں ماہنامہ الاسلام
۱۳۔ ڈنمارک سے ڈینش زبان میں ماہنامہ ایکٹو اسلام (ACTIVE ISLAM)

★ ان اخباروں اور رسالوں کے علاوہ لاکھوں روپے کا مختلف نوع کا تبلیغی لٹریچر ہر سال مختلف زبانوں میں شائع کر کے مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

★ تبلیغی اغراض کے لئے انہوں نے افریقہ میں ۴۹ سکول۔ اور دنیا کے مختلف حصوں میں ۳۴۳ شاندار مساجد تیار کر رکھی ہیں۔ ان کی تعمیر کردہ مساجد کی تفصیل یہ ہے:-

انگلینڈ میں	۱	امریکہ میں	۳	ہالینڈ میں	۱
بورنیو میں	۳	سوئٹزر لینڈ میں	۱	موریشس میں	۶
برما میں	۱	مشرقی افریقہ میں	۲۰	مغربی جرمنی میں	۲
نائجیریا میں	۴۰	سیلون میں	۲	سیرالون	۴۰
ملایا میں	۲	انڈونیشیا میں	۶۰	گھانا میں	۱۶۱

جماعت احمدیہ کے ایک ترجمان کا مراسلہ حال ہی میں جریدہ "صدق جدید" لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔ اس کی رو سے مٹھی بھر احمدیوں کا سال ۶۷-۱۹۶۶ء کا تبلیغی بجٹ مندرجہ ذیل ہے۔

آمد و خرچ برائے پاکستان ۹۳,۰۲,۹۶۱

آمد و خرچ برائے تبلیغی مشن ہائے بیرون پاکستان ۳۸,۱۳,۳۸۰

آمد و خرچ برائے دیہاتی تبلیغ ۱,۷۷,۰۰۰

ہندوستان کے قادیانی مرکز کا بجٹ اس کے علاوہ ہے۔

★ مذکورہ بالا مراسلہ کی رو سے :-

"ہر احمدی تبلیغی اغراض کے لئے اپنی آمدنی سے کم ازکم ایک آنہ فی روپیہ لازمی طور پر چندہ دیتا ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے اصحاب کی ہے۔ جو اپنی آمدنی کا کم ازکم ۱/۱۰ حصہ اور بعد وفات اپنی جائداد کا ۱/۵ حصہ بطور چندہ دیتے ہیں"

اسلامی لٹریچر کی مانگ مسیحیوں اور احمدیوں کی ان تبلیغی سرگرمیوں کے مقابلہ میں اندرون و بیرون ملک، مسلمانوں کیطرف سے لٹریچر کے ذریعہ تبلیغ دین کا کوئی اہتمام ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ :-

★ ہندو پاکستان کی پہلی تاریخی جنگ کے دوران میں محاذ جنگ سے ہمارے مجاہدین نے قرآن کریم کے نسخے بھیجنے کا تقاضا کیا۔ "مسلم ورلڈ" مکہ کی رپورٹ کے مطابق اسلامک ایجوکیشن بورڈ آف امریکہ کے چیئرمین ڈاکٹر چارلس گیڈس نے کہا ہے کہ امریکہ، افریقہ اور

جنوبی امریکہ کے لوگ، مسلمانوں اور اسلام کے متعلق صحیح اور مناسب معلومات کے لئے ترس رہے ہیں۔

★ نائیجیریا میں پاکستان کے ہائی کمشنر مسٹر ایچ۔ ایم۔ احسن اور مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم ملک خدا بخش بچہ نے اہل ثروت سے اپیل کی ہے کہ وہ مغربی افریقہ کے ملکوں میں تقسیم کرنے کے لئے قرآن پاک کے نسخے اور انگریزی میں اسلامی لٹریچر بھجوائیں۔

★ وائس آف اسلام" کوریا نے لکھا ہے کہ مشرق بعید میں اسلام کی تبلیغ کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ـــــ

اسلامک سنٹر، ٹوکیو (جاپان) کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اسے مختلف زبانوں میں اسلامی لٹریچر بہم پہنچایا جائے۔

افسوسناک پہلو | ایک وقت وہ تھا کہ مسلمان خود دوسروں کو اسلام کی دعوت دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ اور ان کو قرآن کریم کی تعلیمات سے آگاہ رکھتا تھا۔ اور ایک وقت یہ ہے کہ خود مسلمان سے دوسرے تقاضا کر رہے ہیں۔ کہ ہمیں بھی اسلام اور قرآن کے تقاضوں اور تعلیمات سے آگاہ کرو۔ تاکہ ہم بھی دینِ فطرت کی برکات سے مستفید ہو سکیں۔

ایسے نازک وقت میں اپنی تبلیغی ذمہ داریوں کا احساس نہ کرنا بھی عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے جس کی قرآن کریم نے ان الفاظ میں نشاندہی کی ہے کہ حق تعالیٰ ایسی خدا فراموش اور فرض ناشناس قوم کو فنا کے گھاٹ اتار کر اسکی جگہ دوسری فعال اور متحرک قوم بھیج دیتا ہے۔

(شائع کردہ، عالمی ادارۂ اشاعت علوم اسلامیہ۔ ملتان)

ہمارے اکابرین دیوبند میں حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رح کی مثالیں موجود ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ جن ایام میں یہ حضرات دہلی میں پڑھتے تھے تو بھوک کے مارے حالت یہ تھی کہ سبزی فروش بقّال جو باسی سبزی رات کو پھینک دیتا تو یہ حضرات اسے صاف کر کے جوش دیتے اور اس سے گزر اوقات کر لیتے اور رات کو مطالعہ کیلئے مستقل روشنی کا انتظام نہ ہوتا تو حلوائیوں کی دوکان کے قریب کھڑے ہو کر دوکان کے لیمپ اور بتی کی روشنی میں مطالعہ فرماتے۔ ابھی ہمارے زمانہ طالب العلمی تک علم کی راہ میں مشقتیں ایک عام بات تھی مجھے خود یاد ہے کہ زمانہ حصول علم میں کئی کئی مہینے صرف ایک ایک روٹی پر اکتفا کیا ـــــ۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ
شوال۔ تعلیمی سال کے افتتاح میں خطاب

بزمِ ابنائے حقانیہ

انتخاب مولانا قاضی فضل دیان صاحب فاضل دارالعلوم حقانیہ
ناظم تعلیم القرآن عمرزئی
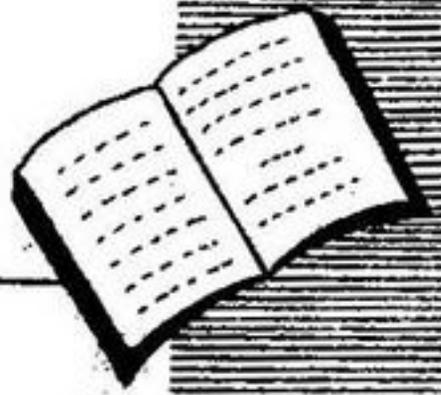
حاصلِ مطالعہ

عظمتِ حدیث

عبداللہ ابن مبارکؒ کی چشم دید شہادت ہے کہ " امام مالکؒ ہم لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے۔ بچھو نے جو ان کے کپڑوں میں کسی طرح گھس گیا تھا، سولہ مرتبہ ڈنگ مارا۔ امام مالکؒ کا چہرہ ہر بار متغیر ہو کر زرد پڑ جاتا لیکن حدیث جس طرح بیان کر رہے تھے بیان کرتے رہے۔ درمیان میں یہ سلسلہ منقطع نہ کیا۔ جب درس ختم ہو گیا اور طلباء ادھر اُدھر ہو گئے تو میں نے عرض کیا کہ آج آپ کا کیا حال ہو رہا تھا؟ فرمایا کہ بچھو نے سولہ ڈنگ مارے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے احترام کی وجہ سے میں چپ بیٹھا رہا۔"

خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر

افلاطون نے جمہوریت پر جو کتاب لکھی ہے اس میں یونان کی نہایت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو تمام دنیا کی بنسبت علومِ عقلیہ سے خاص مناسبت ہے۔ ابن رشد نے اس کتاب کی شرح میں اپنے وطن اسپین کو بھی یونان کا ہم پایہ قرار دیا ہے۔ جالینوس کا قول تھا کہ دنیا میں سب سے عمدہ آب و ہوا یونان کی ہے۔ ابن رشد نے کتاب الکلیات میں برخلاف اس کے دعویٰ کیا کہ اس فخر کا مستحق یونان نہیں، بلکہ قرطبہ ہے۔ ایک دفعہ منصور کے دربار میں ابن زہر اپنے وطن اشبیلیہ کو ترجیح دیتا تھا۔

ابن رشد نے کہا اشبیلیہ میں جب کوئی عالم مرجاتا ہے۔ اور اس کے کتب خانے کے فروخت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو کتب خانہ کو قرطبہ لانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اشبیلیہ میں ان چیزوں کو کوئی پوچھتا نہیں۔ لیکن قرطبہ میں جب کوئی ڈوم مرتا ہے۔ تو اس کے آلات موسیقی اشبیلیہ میں جا کر فروخت ہوتے ہیں۔ ان واقعات سے دونوں شہروں کی فضیلت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

فخر و ناز کی ایک جھلک

ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا

فاطمہ سے ؟ حضرت علیؓ کا یہ سوال محض اس فخر و ناز کے باعث تھا جو انہیں رسول اللہ پر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ "فاطمہؓ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے۔ اور تم مجھے فاطمہؓ سے زیادہ عزیز ہو"

شرعی احترام

ایک بار ایران کا سفیر بادشاہ دہلی کے پاس آیا۔ مرزا بیدل کا صوفیانہ کلام پڑھ کر لوگ اسکو قطب سمجھتے تھے۔ بادشاہ کے دربار میں سفیر ایران آیا تو مرزا کا تعارف بھی کرایا گیا۔ ڈاڑھی خشخشی تھی۔ پوچھا۔ "آغا ریش می تراشی ؟ مرزا نے کہا۔ "ریشم می تراشم ولیکن دل کسے نمی خراشم" سفیر نے جواب دیا۔ "بلے دل رسول اللہ می خراشی" مرزا صاحب کمال تھے، غلطی معلوم ہوئی تو سر نیچا کر دیا۔ گھر گئے اور تین دن تک شرمندگی سے باہر نہ آئے۔

کیمیا

حرص و آز کے وہ بندے۔ دنیا کی محبت اور مال و منال کی خواہش جن کے قلب میں بس رچ گئی ہے۔ رات دن دنیا کے حصول میں سر کھپاتے رہتے ہیں۔ اور پھر بھی تقدیر میں جو کچھ سکھ دیا گیا ہے اس سے زیادہ نہیں پاتے۔ دنیا کی یہی محبت ان کو کیمیا بنانے کی راہ دکھاتی ہے۔ صبح و شام اسی فکر میں غلطاں "بس ایک آنچ کی کمی رہ گئی" کی دردسری میں مبتلا، حالانکہ نہیں سمجھتے کہ اسی آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر خدا کے کچھ ایسے بے نیاز بندے بھی چل پھر رہے ہیں، جن کے پاس بظاہر کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہے۔ اُن کے لعاب دہن میں بھی یہ اثر ہے کہ اگر کہیں پڑ جائے تو اسکو بھی زر خالص بناتے ہوئے نکل جائے۔ شیخ المحدیث دہلوی نے سلطان جلال الدین قریشی کے متعلق لکھا ہے کہ ایک روز ان کی مجلس میں کسی شخص نے کیمیا کا ذکر کر دیا۔ شیخ نے از راہ حقارت فرمایا کہ "تف بر عمل کیمیا" یہ کہتے ہوئے کچھ لعاب بھی منہ سے نکلا اور سامنے ایک پیتل کی تھالی پر جا پڑا، تھوک کا اس تھالی پر گرنا تھا کہ وہ فوراً ہی خالص سونا بن گئی (اخبار الاخیار ص ۲۳۵) واقعی انہیں لوگوں کی صحبت کیمیا اثر ہے، جن کے یہاں پہنچ کر صحبت کی کیمیا اثری پہلے ہی مرحلہ میں اس طرح ظاہر ہو جاتی ہے، کہ دنیا کی محبت قلب کے ریشہ ریشہ سے نکل جاتی ہے۔ اور انسان اسی دنیا میں راحت و سکون کی جنت میں خود کو محسوس کرنے لگتا ہے۔

خواب کے اقسام

امام محمد بن سیرینؒ نے فرمایا ہے کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو حدیث نفس دل کے خیالات۔ دوسرے تخویف شیطان۔ تیسرے مبشرات خداوندی۔ اس تقسیم سے ظاہر ہے کہ خواب کے تمام اقسام صحیح اور قابل تعبیر نہیں ہوتے بلکہ تعبیر اور اعتبار کے لائق خواب کی وہی قسم ہے۔ جو حق تعالیٰ کیطرف سے بشارت و اعلام ہو، حدیث نفس کی مثال یہ ہے۔ کہ کوئی شخص ایک کام یا حرفۃ کرتا ہے۔ وہ خواب میں عموماً وہی چیزیں دیکھے گا جن میں دن بھر منہمک رہتا ہے۔ یا کوئی عاشق محروم الوصال جو ہر وقت اپنے محبوب کے خیال میں مستغرق رہتا ہے۔ وہ خواب میں بھی اُسی کو دیکھتا ہے۔ سچا خواب حق تعالیٰ کیطرف سے اسلئے دکھایا جاتا ہے کہ بندہ محظوظ ہو اور طلب حق و محبت میں زیادہ سرگرم ہو ایسا خواب قابل تعبیر ہے۔ اور اس پر بڑے بڑے اہم نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ فاضل دارالعلوم حقانیہ
مدرس جامعہ اسلامیہ تنگی (چارسدہ)

آج چودھویں صدی میں نسلِ انسانی عموماً اور امتِ مسلمہ خصوصاً زمین کے جس حصہ پر بھی زندگی کے شب و روز گزار رہی ہے، اضطراب اور پریشانیوں کا شکار ہے، اور روحانی اور جسمانی دونوں حیثیتوں سے تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن ابھی تک ہم نے یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی، کہ یہ سب کچھ امتِ مسلمہ کے ساتھ کیوں ہو رہا ہے۔ اور اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہوگا۔؟ اشتراکیت سے متاثر اذہان تو اس کا علاج قوانین اشتراکیت کا اپنانا بتلاتے ہیں۔ اور مغرب زدہ ذہن مغربی تہذیب و تمدن اور تعلیم کے اپنانے میں اسکی نجات سمجھتے ہیں جس کے متعلق ڈاکٹر اقبال فرما گئے ہیں۔

آہ! یورپ زین مقام آگاہ نیست   چشم او ینظر بنور اللہ نیست

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن چیزوں کو یہ لوگ ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں، وہی امتِ مسلمہ کے لئے تباہی و بربادی کا باعث ہیں۔ اور اس کے نتیجے فحاشی، عریانی اور غیر فطری قوانین کی شکل میں نظروں کے سامنے ہیں، مشہور مقولہ ہے: صاحب البیت ادریٰ بما فی بیتہ (گھر والا گھر کی چیزوں کو خوب جانتا ہے)

آیئے دیکھیں کہ یورپی تہذیب و تمدن میں پلے پھولے مدبرین اور فلاسفر اپنے اس کلچر کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں جس کے ہم شیدائی ہیں اور جسے ہم اپنی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ نیز یہ غیر مسلم مفکرین اور فلاسفر فلاح کے لئے کونسا راستہ متعین کرتے ہیں جس پر گامزن ہو کر ایک قوم دوبارہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے۔ امریکہ کا مشہور و معروف فلسفی مورخ ڈورسی اپنی کتاب (CIVILISATION) میں لکھتے ہیں —— "ہماری بربادی کی وجہ نہ تو یہ بد معاش ہیں جن سے ہم ڈرتے ہیں اور نہ یہ ہماری غربت جس سے ہم پریشان ہیں۔ بلکہ اسکی اصل وجہ وہ نظام ہے، جو چالبازی اور دھوکہ بازی کی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے" اسی طرح بریفالٹ

اپنی کتاب "THE MAKING OF HUMANITY" میں رقم طراز ہے۔ "ہماری موجودہ تہذیب اپنے قومی، معاشی، عائلی، اخلاقی، مذہبی اور ذہنی نظام کے ہر شعبہ میں بیوقوفی، جہالت، دھوکہ بازی اور ظلم کا مستقل مظاہرہ ہے"

یہ ہے وہ غیر اسلامی نظام تہذیب و تمدن جس کو غیر مسلم مفکرین ہی نے ظالمانہ، عیارانہ اور بہیمانہ قرار دیا۔ اب ہمارے مسلم قائدین جو وطن میں غیر اسلامی قانون اور تہذیب کے اپنانے کا درس دیتے ہیں، ذرا سوچیں کہ وہ اپنے اس رویہ سے مذہب و قوم کے دشمن تو نہیں۔؟

یہ غیر اسلامی مفکرین تو قوم کو ترقی اور خوشحالی کا راستہ قوانین فطرت یعنی اسلامی تعلیمات بتلاتے ہیں۔ پروفیسر ہرٹز اپنی کتاب "NATIONALITY HISTORY & POLITICS" میں لکھتے ہیں۔" اب لازماً یہ حقیقت مانی جاتی ہے کہ کوئی بھی ادارہ ترقی کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ اگر اس میں روح کی کمی ہو۔"

مشہور اطالوی مدبر میزینی اپنی کتاب QUOTED BY GRIFFITH IN INTERPRETERS OF MAN میں ذرا بسط سے لکھتے ہیں۔ "اگر بنی نوع انسان کے اوپر اقتدار اعلیٰ نہ ہو تو پھر وہ کیا چیز ہے، جو ہمیں طاقتور اقوام کے چنگل سے بچا سکے۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا نہ بدلنے والا قانون جو انسانوں کا بنایا ہوا نہ ہو، موجود نہ ہو تو پھر ہمارے پاس وہ کونسا ترازو ہوگا جس سے ہم معلوم کریں کہ کونسا فیصلہ عادلانہ ہے اور کونسا نہیں۔ خدائی قانون کے علاوہ جو بھی حکومت قائم ہو وہ ملک و ملت کیلئے خسران کا باعث ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ درمیان میں نہ رہے (یعنی خدائی قانون) تو اپنے زمانۂ حکومت میں ہر ایک ۔۔۔۔۔ دوسروں کی حق تلفی کرے گا۔

ڈاکٹر موریشس اپنے ایک مضمون میں قرآن حکیم پر ایک مکمل قانون ہونے کی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔" روم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کے خندق میں گرے پڑے ہیں کوئی چیز نہیں نکال سکتی، بجز اس آواز کے جو غار حرا سے نکلی۔"

اسی طرح ایک اور مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو ادجین کلاقل لکھتے ہیں۔ "قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ ایک عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام پیش کرتا ہے۔"

موسیو گاستین کاد نامور فرنچ عالم اپنے ایک مضمون میں اسلام کی حقانیت پر بحث کرتے ہوئے اخیر میں لکھتا ہے ۔۔۔ "اگر اسلام روئے زمین سے یکسر ختم اور مسلمان نیست و نابود ہو جائے، قرآن کی حکومت جاتی رہے تو کیا دنیا میں امن قائم رہ سکے گا۔؟ پھر خود ہی جواب دیتا ہے۔ "نہیں ہرگز نہیں" جو لوگ موجودہ زمانے کے لئے قرآن کو مکمل قانون تسلیم نہیں

کرتے۔ ان غیر مسلم مفکرین کے بیانات کو بار بار پڑھ کر ذرا اپنے گریبان میں جھانکیں کہ کیا وہ اپنے ان ٹکسالی نظریات سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غداری تو نہیں کر رہے ہیں۔؟

مسٹر ایچ ایس لیڈر اپنے ایک مقالہ بعنوان "عربوں کا احسان تمدن پر" میں فرماتے ہیں:

"قرآن وحدیث دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔ کرۂ ارض پر جو بھی قوم امن و ترقی کی خواستگار ہو تو اس کے لئے قرآن وحدیث کی جانب رجوع کرنا ہوگا"۔

حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام کو عجمی سازش کہنے والے سوچیں کہ کیا وہ اپنے بیہودہ تحقیقات اور لغو بیانات سے اسلام کی خیر خواہی کر رہے ہیں۔؟

آج اگر ہم اس فانی دنیا میں اطمینان اور خوشی کی زندگی کے خواہش مند ہیں اور روحانی اور جسمانی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ قرآن وحدیث کو اپنے لئے عمل دستور بنائیں اور اسکی روشنی میں چل کر فلاح دارین حاصل کریں۔ اور قانون خداوندی میں تحریف و تبدیل اور غلط تاویل و تفسیر کرنے والوں کے دام تزویر کو اپنی قوت ایمانی سے پاش پاش کر کے رکھ دیں۔ اور قرآن وحدیث کے خلاف قادیانی، پرویزی اور فضلی جیسی خطرناک سازشوں کو بے نقاب کر دیں ـــــ علامہ اقبالؒ کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد ... بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را ... او رسل را ختم ما اقوام را
لا نبی بعدی ز احسان خداست ... پردۂ ناموس دین مصطفیٰ ست
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست ... تا ابد اسلام را شیرازہ بست

بقیہ: ثقافت اسلام ـــــ زر پرستی اور جاہ پرستی سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ اس کا ہر عمل ذاتی مفاد سے آزاد نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ ایک عظیم الشان مقصد کے حصول کا ساعی بنتا ہے۔ وہ مقصد ایک مسلمان کے قلب میں اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت خلق کہلاتا ہے۔ وہ عمل صالح کے ساتھ ساتھ اصلاح، قربانی اور ایثار کا پیکر بنتا ہے۔ چنانچہ وہ کامرانی اور کامیابی کے تحصیل پر قادر ہو جاتا ہے۔ اور اس کامرانی کیلئے اسلام سے چند عناصر اخذ کرنے پڑتے ہیں۔ ۱۔ اذعان بر ضروریات دین ۲۔ خود عمل صالح کرنا۔ ۳۔ دوسروں کو اس کا امر کرنا۔ ۴۔ برے عمل سے مجتنب رہنا۔ ۵۔ برے عمل سے دوسرے کو روکنا۔

جناب مولانا غفران الدین محکمہ قضا ریاست سوات ـــ (سید و شریف)۔

ہمارا موضوع دو جزو ثقافت اور اسلام سے مرکب ہے۔

ثقافت کے لغوی معنے استواری، چستی اور زیرکی کے بتلائے گئے ہیں۔ اصلاح میں ثقافت اس استعداد اور ذہنی برتری کا نام ہے۔ جس کے ذریعہ قوم وملت کا بناؤ کیا جا سکے۔ بالفاظ دیگر ثقافت انسان کی اس قوت کا نام ہے، جس کی بنا پر وہ ترقی کے مدارج طے کرنے پر قادر ہو سکتا ہے۔ اس قوت کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اس کے ذریعہ جو امور عملی سطح پر نمایاں ہوں گے وہ قوم اور ملک کی استواری اور درستگی کا باعث بنیں گے۔

اسلام کے معنے گردن نہادن، خضوع اور انقیاد کے ہیں۔ اصلاح میں اللہ پاک کے حضور میں اس اطاعت، خضوع اور فرمانبرداری کا نام ہے۔ جس میں احکام کے قبول کے ساتھ ساتھ یقین بھی ہو جو تصدیق ایمانی ہے اور ایسی خضوع کا تحقق اوامر ونواہی کے قبول کو مستلزم ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے۔ اِنّ الدین عند اللہ الاسلام۔ (بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے)

اب ہم اصل "ثقافتِ اسلام" کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ایسی استعداد اور قوتِ فکری جس میں اسلام کی استواری اور درستی مضمر ہو اور جس کے ذریعہ مسلمانوں میں صحیح انقیاد، خضوع اور قبولِ احکام کا جذبہ پیدا ہو۔ اور ہر مسلمان اسلامی معاشرے میں روحانی اور جسمانی لحاظ سے ایک عمدہ شہری کا کردار ادا کر سکے۔ ہمارے لئے ایسی قوت وفکر کا سرچشمہ کتاب اللہ اسوہ رسول اللہ اور خلفائے راشدین کا طرز وطریقہ ہے۔ جس فکر ونظر کا ماخذ یہ سرچشمہ ہو۔ وہ ذہن اسلامی نظر وفکر سے معمور ہو جاتا ہے۔ وہ اسلامی معاشرے میں اللہ پاک کے احکام کی پابندی کے سوا تمام دنیا کو آزادی کا پیغام دیتا ہے۔ اور علم کو مشعلِ راہ بنا کر عمل صالح کا مجسمہ بنتا ہے۔ اور خیر الناس من ینفع الناس کا صحیح مصداق

نظر آنے لگتا ہے۔ اس کا ہر عمل اصلاح پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ فکر و نظر ایک کامیاب اور کامران انقلاب لاتی ہے۔ اور مسلم معاشرہ [illegible] طریقوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا ہے: لقد جائکم من الله نور وکتاب مبین [illegible] یہدی بہ الله من اتبع رضوانہ سبل السلام۔ یعنی تمہیں اللہ پاک کی جانب سے ایک نور [illegible] واضح کتاب آئی ہے جس کے ذریعہ اللہ پاک اپنے بندوں کو سلامتی کے راستہ بتلاتا ہے ——— اور رسول کو اس لئے مبعوث کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالا جاوے۔ اس لئے فرمایا گیا ہے: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ یعنی اللہ پاک کے رسول میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے۔ لیکن اس نمونے کا مشاہدہ وحی کے مواقع دیکھنا اور اسکی تاویل کو پہچاننا قابل اعتماد لوگوں سے توارث اور نقل پر مبنی ہے کیونکہ مذہب کا ثبوت توارث اور نقل کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے آنحضور نے ارشاد فرمایا ہے:

علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین اور نقل و توارث کا طریقہ اس طور پر اپنایا جا سکتا ہے۔ کہ اس معتمد طبقہ کے بانظار وافکار کو عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاوے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی مشہور تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس چیز کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: والملۃ انما تثبت بالنقل والتوارث ولا توارث الا بان یعظم الذین شاھدوا مواقع الوحی وعرفوا تاویلہ وشاھدوا سیرۃ النبی ولم یخلطوا محھا تعمقا ولا تھاونا ولا ملۃ اخری۔ یعنی مذہب کا ثبوت نقل اور توارث سے ہوتا ہے۔ اور یہ جب ممکن ہے کہ ان لوگوں کی تعظیم دل میں ہو جنہوں نے نزول وحی اور اس کے مواقع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو دیکھا اور برتا اور اپنے دین کے ہر قسم کے غل وغش سے پاک صاف رکھا۔

یہی فکر و نظر اسلام اور غیر اسلام میں ایک حد فاصل اور خط متقاطع ہے۔ یہ اسلامی ثقافت ایک زندہ اور متحرک حقیقت ہے۔ اور عالم اسلام کے ہر زمان و مکان میں اپنا کردار ادا کرتی رہتی ہے۔ یہ حقیقت نہ تو مسجد کی چار دیواری تک محصور ہے، اور نہ کسی صوفی درویش کی خانقاہ تک، بلکہ یہ ثقافت تمام عملی ارکان اسلام کے لئے ایک روح ہے اور عالم اسلام کیلئے حیات۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس ثقافت کا نقطۂ آغاز ہے۔ ہر عمل میں اس نظریئے کو اپنایا جائے گا۔ اور اس کے ماتحت ہر قدم اٹھایا جائے گا۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کے ماننے سے لازمی طور پر خوف و رجاء کا اثر پڑنے لگتا ہے۔ اور مسلمان کا ہر دم قدم نفس پرستی

(باقی صفحہ پر)

تلخیص وتعارف کتب

ادبیات

جناب مولانا محمد اشرف صاحب ایم اے
صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور
رفیق دعوادی الحق

قسط ۲

ارمغان سلیمان پر ایک نظر

گذشتہ سے پیوستہ
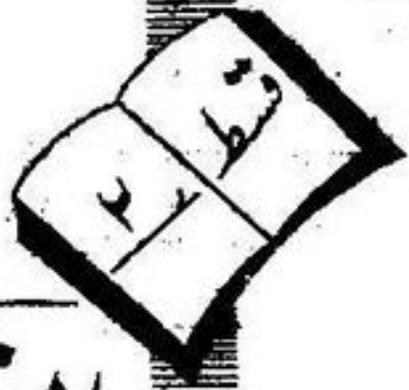
کچھ اور اشعار اہل ذوق کی نشاط طبع اور ازدیاد بصیرت کے لئے پیش ہیں۔

دامن کو آنسوؤں سے جو نم کر رہا ہوں میں ... شرح غم فراق رقم کر رہا ہوں میں
دیوانگان عشق کو دے کر صلائے عام ... سب واردات عشق رقم کر رہا ہوں میں
کہہ کہہ کے دلفریب دل آرا و دلنشین ... تردید قصہ ہائے ستم کر رہا ہوں میں

خدا جانے کہاں دل ہے کہاں پر اسکی منزل ہے ... نہیں ملتا سراغ دل، نہیں ملتا نشان دل۔
کوئی چوٹ ایسی لگ جائے الہی میرے سینہ میں ... کہ فوارہ سا بن جائے یہ زخم خونچکان دل

اس تجلی گاہ کا ہر نازنیں ... کشتۂ انداز الا اللہ ہے
ہے اسی کی سانس انفاس حیات ... جو کوئی دمساز الا اللہ ہے
وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں ... جام مے آواز الا اللہ ہے

چشم ساقی میں بھری کیا بادۂ پر جوش ہے ... جس طرف آنکھ اٹھ گئی وہ مست ہے مدہوش ہے
حبذا پیر مغاں، دریا دل و دریا نواں ... جمع ہیں میخوار، میخانہ میں نوشا نوش ہے
جان کی قیمت دیار عشق میں ہے کوئے دوست ... اس نوید جانفزا سے سر وبال دوش ہے

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست ... فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی ... اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی

الاماں اے سوزش داغ فراق ... روز محشر تابش خورشید ہے
یاد آیا چشم ساقی کا کرم ... پھر چھلکتے جام کی امید ہے

مہر ہو یا قہر ہو جو کچھ بھی ہو | ہر ادا محبوب کی محبوب ہے
میرے ہوش و خرد نے جمع جو خرمن کیا ہوں | لگا دے برقِ ایمن آگ تو اس پر حائل ہیں
عشق کا رہبر دلیلِ راہ جس دن سے بنا | بن رہا ہے آپ ہی انکارِ دل اقرارِ دل
وہ چشمِ محبت تو جو پائے محبت ہے | دیکھے تو ذرا کر کے اس سے کوئی یارانہ
حاصل رہے ہے کیفیت ہر وقت حضوری کی | آ دل میں مرے چھپ جائے صورتِ جانانہ
سما جا مرے دل میں ارمان ہو کر | دوئی دور کر دے میری جان ہو کر
ستم بھی کرم ہے کہ شورِ محبت | مزہ دے رہا ہے نمکدان ہو کر
جہاں کو معطر بنائے ہوئے ہیں | وہ زلفِ معنبر پریشان ہو کر

اہلِ نظر جانتے ہیں۔ کہ اصنافِ شاعری میں سب سے مشکل صنف نعت گوئی ہے۔ "نعت گو" عشقِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عظمت و ادبِ نبوی کا محرم ہو اور نسبتِ محمدیہ سے فیض یاب اور شانِ رسالت سے حق المقدور شناسا ہو کہ ع

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اس کے اشعار سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں موہم تنقیص نہ ہوں نہ ہی حریمِ توحید میں در اندازیا واہمہ شرک پیدا کرنے والے ہوں، اور ان نزاکتوں کی رعایت ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے

بر کفِ جامِ شریعت بر کفِ سندانِ عشق | ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اسی لئے عرفی نے نعت کے بارے میں ٹھیک کہا ہے

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است | آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

یہی وجہ ہے۔ کہ ہر نعت گو کعب ابن مالکؓ یا بصیریؒ کی طرح "بردیمانی" کا مستحق نہیں۔ مزید برآں یہ بھی لازم ہے، کہ ان قیود کی رعایت ایسا پابند سلاسل نہ کر دے کہ اس کا قافیہ ہی تنگ ہو جائے۔ بلکہ ان تمام نزاکتوں کا التزام مزید جولانئ طبع اور عروض و قواعد شاعری کی پابندیوں کے اہتمام کا باعث ہو۔

سیرت نگار نبویؐ (سید صاحبؒ) سے زیادہ اس پرخار کوچہ سے کون صحیح و سالم نکل سکتا تھا۔ غزل الغزلات میں کل چار نعتیں ہیں۔ ہر نعت اپنے رنگ میں عظمت و عشقِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دال اور عارفانہ اور حکیمانہ ——— اور ان عاشقانہ حدود کی رعایت نعت گوئی کا کمال ہے۔

ہر جگہ "ادبِ شریعت" "جوشِ عشق" پر غالب ہے۔ "قیودِ سخنگوئی" و آدابِ شاعری کی کامل پابندی کے ساتھ ہے۔ پُرشکوہ و منتخب الفاظ بے ساختگی کے سانچے میں ڈھلتے چلے آتے ہیں۔ ترکیب کی ندرت و برجستگی، بندش کی چستی، کلام کی روانی نے اعجازِ معانی عمق و مطالب سے مل کر ان نعتوں کو لفظ و معنی کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔ پہلی نعت کے اشعار سے دل و دیدہ کو سکون بخشئے۔

نامِ محمد صلی علیٰ نورِ مجسّد صلِ علیٰ   خدِّ مورد صلِ علیٰ قدِّ ممدد صلِ علیٰ
رحمتِ عالم صلی علیٰ مفخرِ آدم صلِ علیٰ   مرسلِ اکرم صلِ علیٰ، اسمک احمد صلِ علیٰ
چہرۂ انور شمسِ ضحیٰ، زلفِ معنبر لیلِ سجیٰ   قلبِ مطہر نورِ ہدیٰ، ذکر ممجد صلِ علیٰ
شاہدِ عالم شاہِ امم، ہادیِ اعظم شمعِ حرم   صاحبِ لطف و جود و کرم، حق سے مؤید صلِ علیٰ
شافعِ محشر نام ترا، سب کی شفاعت کام ترا   عرشِ معظم بام ترا، خلق کا مقصد صلِ علیٰ
گوہرِ والا پاک نسب، عنصرِ بالا پاک لقب   بہتر و اعلیٰ خلق و ادب، سرور و سید صلِ علیٰ
نسبتِ بیضا راہ تری، جاہ خدا کی جاہ تری   شافعِ عاصی جاہ تری رفرفِ مسند صلِ علیٰ
نورِ الٰہی نور ترا، غارِ حرا ہے طور ترا   ہے ہوش میں مخمور ترا اے نورِ مجسّد صلِ علیٰ
کوچۂ جنت کوچے ترے خار و خس و پھول تھے   خاکِ قدم ہے تیرے لئے سرمۂ اثمد صلِ علیٰ
جی میں ہے عاشق سجدہ کرے تو نے جہاں[1] ہے پاؤں دھرے   اور بشوق و ذوق پڑھے محضرِ مرقد صلِ علیٰ

موسیٰ عمراں مخبرِ مقدم، مژدۂ عیسیٰؑ شانِ ورود
دعوتِ ابراہیم ترا باعثِ آمد صلِ علیٰ

شانِ نبوت کا اظہار کس جوشِ بیان و حقائق و حقوق کی رعایت کے ساتھ ہو رہا ہے:

آمد تری اے ابرِ کرم رونقِ عالم   تیرے ہی لئے گلشنِ ہستی یہ بنا ہے
فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم   یہ فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے
لے جائیگا رہرو کو وہ منزل سے بہت دور   جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

ادبِ نبویؐ کا اندازہ اس نعت سے کیجئے، جو مدینہ منورہ میں القا ہوئی اور حرمِ نبویؐ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش کی گئی۔ چند شعر پیش ہیں:

پاکیزہ تر از عرش و سما، جنّت و فردوس   آرام گہِ پاکِ رسولِ عربی ہے

---

[1] فقیر سے ارشاد فرمایا۔ مسجدِ نبویؐ میں محرابُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آجکل جہاں پیشانی رکھی جاتی ہے۔ اس جگہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے تھے۔ کہ سجدہ کی جگہ پہ ادباً دیوار چن دی گئی ہے۔ اس شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (م۔ ا)

آہستہ قدم، نیچی نگہ، پست صدا ہو	خوابیدہ یہاں روحِ رسولِ عربی ہے
اے زائرِ بیتِ نبوی یاد رہے یہ	بے قاعدہ یاں جنبشِ لب بے ادبی ہے

عشق و الہیت دیکھئے:

لولاک لما عنوان ترا، فرمان خدا فرمان ترا	پیغامِ خدا فرمان ترا، ایمانِ خدا ایمان ترا
اے شاہِ مدینہ در پہ ترے میں آج بھکاری بن کے کھڑے	لائق تو نہیں احسان کے میں پھر بھی جو ملے احسان ترا
تیری محبت دین مرا، اور دین ترا آئین مرا	ہر لفظ پہ تیرے یقین مرا عرفانِ خدا عرفان ترا

مناجاتِ سلیمانی" میں عبدیت و سوز و گداز ملاحظہ فرمائیے:

صدقِ احساس کی دولت میرے مولیٰ دیدے	غمِ امروز بھلا دے، غمِ فردا دیدے
دھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی	دل دیوانہ و سودائی و شیدا دیدے
اپنے میخانہ سے اور دستِ کرم سے اپنے	دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دیدے
دل بے تاب ملے، دیدۂ پر آب ملے	تپِ آتش مجھے دیدے غمِ دریا دیدے
درد دل جینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے	جو نہ ٹھہرے وہ دردِ خدایا دیدے

ان کے کرم کے ہم نثار، ان کی عطا کا کیا شمار	دیدیا عاصیوں کو بار اپنے حریمِ ناز میں
دل کو نصیب ہو گداز، جاں کو عطا ہو سوز و ساز	ہے یہ دعا بصد نیاز درگہِ بے نیاز میں
دل جو ملا سیاہ کار آنکھ عطا ہو اشکبار	دھوئیے جو دل کو بار بار خلوتِ خاص راز میں

"غزل الغزلات" میں ایک استاذانہ فارسی غزل ہے۔ جو معنویت و حقیقت کا جام لبریز اور صوری محاسن کا اعجاز ہے۔ آیاتِ قرآنیہ اشعار میں ایسے دمک رہی ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ، اس قندِ پارسی کا لطف پوری غزل کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

غزل الغزلات کے آخر میں شاعرِ الحاد جناب جوش ملیح آبادی کی ایک ملحدانہ نظم کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک فی البدیہہ نظم ہے۔ جو بیک وقت سید صاحبؒ کی غیرت و حمیتِ ایمانی بصیرتِ باطنی، تاریخ پر نظر، اور قادر الکلامی کا تابندہ گوہر ہے۔

"ارمغانِ سلیمان" کا دوسرا حصہ (صفحہ ۶۷ تا صفحہ ۱۱۲) سید صاحبؒ کے دورِ اول (یعنی حضرت تھانویؒ سے تعلق سے پہلے کے) اس کلام پر مشتمل ہے۔ جو فاضل مرتب (مولانا غلام محمد بی اے) کو دستیاب ہو سکا۔ جیساکہ مرتب نے تصریح کر دی ہے۔ کہ اس دور کا یہ پورا کلام نہیں۔ مرتب تقریب میں لکھتے ہیں ——— " دورِ اول کے ذخیرے کے متعلق یقین نہیں آتا

کہ شعر و سخن کی گرم بازاری اور سخن سنجی کی جواں عمری کا حاصل صرف اتنا ہی ہو گا۔
یہ ایک تاریخی المیہ اور دردناک حقیقت ہے۔ کہ ناگزیر حالات نے سید صاحبؒ کے غیر مطبوعہ علمی و ادبی ورثہ کو ہند و پاک کے مختلف مقامات پر منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔ اور یہ قیمتی قومی وراثت ہماری غفلتوں کی نذر ہو رہی ہے۔

ان نامساعد حالات میں فاضل مرتب کا اتنے کلام کو بھی جمع کر کے شائع کر دینا ان کی بلند ہمتی اور شیخ سے محبت و شغف کی دلیل ہے۔

سید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دورِ اوّل کے اس کلام کا تعارف کرانے سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے شاعرانہ ذہنی ارتقاء کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔

سید الملت قدس سرہٗ کا بچپن جس زمانہ و ماحول میں گذرا، اس وقت فضا شعر و سخن کی عطر بیزیوں سے مہک رہی تھی، مکاتب تک اس شمیم جانفزا سے معطر تھے۔ طلبہ کو مکتبی زندگی ہی میں باہمی بیت بازی سے شعر و سخن کا چسکا لگ جاتا تھا۔ جو رفتہ رفتہ بعض موزوں طبع اور ذہین حضرات کو شعر گوئی اور سخن سنجی تک پہنچا دیتا تھا۔ یہی مکتبی بیت بازی سید صاحبؒ میں بھی مذاقِ سخن پیدا کرنے کا سبب بنی، اور بقول مولانا ابو ظفر ندوی اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا۔ کہ علامہ موصوف کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہو گیا۔ اور ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہو گئے۔ اس سلسلہ میں علامہ نے ایک بیاض تیار کی تھی۔ اس میں ہزاروں منتخب اشعار تھے۔ چونکہ بیت بازی میں حریف خود ساختہ اشعار بھی پیش کرتے تھے۔ اس لئے علامہ موصوف کو تقطیع کی طرف خاص توجہ کرنی پڑی۔ جس سے ان کو فنِ عروض پر اس قدر عبور ہو گیا تھا۔ کہ علماء میں اس کی مثالیں کم ہوں گی۔ (معارف سلیمان نمبر ۴۹)

دیسنہ در بھنگہ کی مکتبی زندگی کے بعد بچپن ہی میں پھلواری شریف تعلیم کے لئے جانا ہوا۔ پھلواری شریف میں شاہ محی الدین صاحبؒ کی صحبتوں اور شاعرانہ ذوق نے حضرت سید صاحبؒ کے مذاقِ سخن کو مزید جلا بخشی، ابتدائے جوانی میں لکھنؤ و ندوہ کے قیام اور استاذ شبلیؒ کے فیض نے اسے اور چمکایا اور مہارتِ فن اور شعر گوئی میں ملکہ تام نصیب ہو گیا ـــــ سید صاحبؒ خود ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔ "انگریزی کی بیسویں صدی کا پہلا سال تھا جب میری عمر ۱۶، ۱۷ سال کی ہو گی، کہ دار العلوم ندوہ لکھنؤ میں داخل ہوا۔ شعر و سخن کا چسکا مکتبی بیت بازی کے سبب سے پہلے سے تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب امیر و داغ کے زمزموں سے ہندوستان پر شور تھا۔ اور خاکسار کا میلان امیر مرحوم کی طرف تھا۔ اور ان کا دیوان مراۃ الغیب پیشِ نظر رہتا تھا۔"

اسی زمانہ کی شاعری کے متعلق مولوی ابوظفر ندوی لکھتے ہیں :

" اوپر گذر چکا ہے کہ ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں علامہ ممدوح بیت بازی میں پیش پیش تھے۔ جس سے ان میں شعری ذوق پیدا ہو گیا۔ جو لکھنؤ آکر اور تیز ہو گیا ـــــ لکھنؤ میں گذشتہ ادبی سرگرمیاں پوری طرح موجود تھیں ـــــ مرثیہ کی مجلسیں اور مشاعرے بکثرت ہوتے تھے۔ علامہ موصوف ان مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے، آخر خود بھی شعر کہنے لگے، اور انہیں اپنے احباب کو سنا کر داد لیتے،

علامہ موصوف نے ایک بیاض بھی تیار کی تھی۔ اس کی ایک جانب عربی اور دوسری جانب اردو اشعار تھے ـــــ ان کے اردو اشعار مجھے بہت یاد ہو گئے تھے، جو ان کے دیوان یا بیاض سے نقل کئے تھے۔

وہ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور اپنی غزل بھی سناتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشاعرہ کی خبر شام کو ملی، رات کو مشاعرہ تھا۔ غزل کہنے کی کوشش کی اور صرف ایک شعر کہنے پائے تھے کہ احباب آگئے اور ان کے ساتھ چل پڑے ـــــ ان کی صورت شکل اور لباس دیکھ کر شمع ان کے سامنے بھی آئی، پہلے تو بہت پریشان ہوئے، لیکن انتقالِ ذہن نے پریشانی سے بچالیا، انہوں نے یہ معذرت کی کہ مجھے مشاعرہ کی مطلق خبر نہ تھی، ابھی احباب نے اطلاع دی فوراً اٹھا چلا آیا۔ البتہ ایک شعر ذہن میں آیا ہے، وہ عرض کرتا ہوں ؎

سر سے قدم تلک ہے ردائے حیا پڑی حاجت ہی کیا ہے، آپ کو صاحب نقاب کی

یہ شعر لکھنؤ کے رنگ کا تھا، خوب داد ملی۔

اردو کے مسلم ادیب و ناقد مولانا عبد الماجد دریا بادی مدظلہٗ "معارف سلیمان نمبر" میں لکھتے ہیں؛

" ذکر دسمبر ۱۹۱۳ء کا ہے ـــــ دو شخص آس پاس لیٹے ہوئے وقت گذاری کے لئے شغل اردو شاعری سے کر رہے ہیں۔ امیر کو داغ سے ٹکرا رہے ہیں، ایک کو گرا دوسرے کو پڑھا رہے ہیں، یہ شعر پر شعر تابڑ توڑ سنانے والا ہے۔ سید ذی جاہ سلیمان ندوی ۳۰ء کا شیخ طریقت نہیں ۱۳ء کا جوان عمر صاحب نظر و صاحب قلم، اور سن کر بلا بیت بازی مات کھا جانے والا ہے۔ ان سطور کا راقم اثم، پڑھا نہ لکھا نام محمد فاضل! ـــــ سید صاحبؒ سے رسم و ربط ایک مدت سے قائم تھا۔ ان کے علم و فضل کا سکہ کئی سال سے دل پر بیٹھا ہوا! یہ کیا خبر تھی کہ المندوہ

لہ یہ شعر سید صاحبؒ نے خود کہے تھے۔ جیسا کہ مولوی ابوظفر مرحوم نے تصریح کی ہے۔ م۔ا

کی ڈوبتی کشتی کو سنبھالنے والا اور ابہلال کو وقت کی ظلمتوں میں چمکانے والا، کلامِ امیر کا حافظ نکلے گا۔ مرآۃ الغیب[1] کا آئینہ بردار صنم خانۂ عشق کا پرستار! یہ پہلی بار کھلا کہ یہ حضرت بہ ایں زہد و تقویٰ اردو شعر و سخن کے رسیا ہیں اور اردو غزل و تشبیب کے متوالے!

سید صاحبؒ کے فاضلِ اجل عالمِ بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے۔ دنیا کو مسلّم ہے کہ وہ فنِ تاریخ میں امامِ وقت تھے اور سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ، لیکن آخر تک کم ہی لوگوں نے ان کے ادبی، شعری اور تنقیدی مرتبہ کو جانا اور کمتر ہی لوگوں نے انہیں ادیب، انشاپرداز اور سخن سنج کی حیثیت سے پہچانا۔! —— علم و ادب کی تاریخ میں ایسی ناشناسی اور کم شناسی کی مثالیں نہ معدوم ہیں نہ غیر معلوم۔

اب آخر زمانہ میں قرآن کا عام مطالعہ یوں بھی بہت گھٹ گیا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ سمٹ سمٹا کر دینیات تک محدود رہ گیا تھا۔ لیکن جب شوقِ مطالعہ جوان تھا اور دن سن بھی جوانی کے تھے۔ تو اردو کی غزلیات کیا معنی ہزلیات تک کا دفتر بے معنی و بامعنی ان کی انگلیوں کی نوک پر تھا۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے، کلیات پر کلیات ختم کر دیئے۔ اور گلدستہ[*] کا تو اب لفظ بھی تشریح طلب ہو گیا ہے۔ (اپنے وقت تازہ غزلوں کے ماہنامہ کو کہتے تھے۔ ایک زمانہ میں ان گلدستوں کی بہار تھی، لکھنؤ تو پھر لکھنؤ ہے، اور اور شہروں بلکہ قصبوں تک میں ان کے ورق ورقِ گل کی طرح کھلے ہوئے اور سید صاحبؒ تھے۔ کہ ان کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے، پھر شاعروں کی باہمی نوک جھونک کے رسالے اپنی بوقلمونیوں میں مولوی صاحبان مناظرانہ رسالوں سے ٹکر لیتے ہوئے —— پٹنہ سید صاحبؒ کا وطن خود ہی اردو شعر و سخن کے حق میں گلزار اور پھر سید صاحبؒ کا لکھنؤ میں سالہا سال کا قیام، جو کور کسر رہ گئی تھی، پوری ہو گئی۔ سید صاحبؒ اس چمن کے ایک چہکتے ہوئے بلبلِ خوشنوا خود بن گئے۔

شاعر بھی تھے، تخلص رمزی کرتے تھے۔ کبھی قطعہ اور کبھی رباعی کہتے اور تفریحاً ہر بحرِ سخن میں شناوری کر لیتے، ان کی شاعری پہ نقد و تبصرہ کے لئے ایک مستقل مقالہ درکار ہے۔ اور یہ منزل تو پھر بعد کی ہے۔ پہلے کوئی شاگرد ذرا تلاش و تفحص سے کام لے کہ ان کا سارا کلام یکجا تو کرے ——

باقی آئندہ

---

[1] امیر مینائی کے دیوانِ اوّل و دوم کا نام ہے۔

تبصرۂ کتب

تبصرہ کیلئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے چاہئیں

دار العلوم دیوبند (صد سالہ تاریخ)

از مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم دیوبند

قیمت ۵/۲ روپے صفحات ۱۶۰ ملنے کا پتہ: دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند

برِ اعظم ایشیا کی سب سے بڑی دینی اور روحانی درسگاہ دار العلوم دیوبند نے ۱۳۸۲ھ میں اپنی زندگی کے یک سو سال پورے کئے بلاشبہ اس عرصہ میں اس عظیم دار العلوم نے ملک و بیرون ملک علمی، عملی، اخلاقی، سیاسی، تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں نہ صرف نمایاں حصہ لیا۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی قیادت و سیادت کا فریضہ ادا کیا۔ علم و عمل اور سیاست و جہاد، قومی بیداری، دینی راہنمائی ہر لحاظ سے اس نے برِ صغیر کی تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ پیش نظر کتاب دار العلوم کے تمام تعلیمی، تبلیغی، انتظامی شعبوں اور ملی خدمات کا مختصر مگر جامع مرقع ہے۔ صد سالہ تاریخ کے مختلف ادوار کی رفتار ترقی پر روشنی پڑتی ہے۔ دار العلوم دیوبند کے مشاہیر علماء کی علمی اور ملی خدمات کا بھی اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ دار العلوم کے مشاہیر و اعاظم رجال کی اس فہرست میں تحقیق و تجسس سے مزید قابلِ قدر اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ فہرست کئی اعاظم رجال کے ذکر سے خالی ہے۔ کتاب کے آخر میں پوری صدی کے دار العلوم کے تمام مدرسین، مہتممین، مفتیین اور دیگر شعبوں کے ملازمین اور ممبران شوریٰ کے نام اور مدت منصب کے نقشے اور کئی اہم گراف شامل ہیں۔ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ سو برس میں دار العلوم سے ۶۵،۲۷ طلبہ نے استفادہ کیا جن میں ۸،۴۱۷ طلباء نے سند فراغت حاصل کی۔ کارکردگی کے لحاظ سے ان میں ۵۲۶ مشائخ طریقت ۵۸۸۸ مدرسین، ۱۱۶۴ مصنفین، ۱۷۸۴ مفتی، ۱۵۴۰ مناظر ۴۸۷ صحافی، ۴۲۸۸ خطیب و مبلغ ۲۸۸ طبیب بنے اور ملک و بیرون ملک کی بہترین خدمات انجام دیں۔ دار العلوم کے ابنائے قدیم نے مختلف ممالک اسلامیہ میں ۸۹۳۶ مدارس و مکاتب قائم کئے۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند نے اس تاریخ کو مرتب کروا کر علمی اور دینی حلقوں کے علاوہ برِ صغیر کے دینی و علمی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں پر بڑا احسان فرمایا۔ گو دار العلوم کی پوری تاریخ کے لئے تو کئی جلدیں درکار ہوں گی۔ مگر اس مختصر جائزہ سے یہ بھی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ دار العلوم دیوبند وہ شجرۂ طوبیٰ ہے جس کے ثمرات و برکات سے چار دانگ عالم منور ہو رہا ہے۔ — اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ — پاکستانی حضرات اپنی سوڈا واٹر فیکٹری نابھہ روڈ لاہور کو قیمت اور دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند کو منی آرڈر کی رسید بھیج کر کتاب منگوا سکتے ہیں۔

منحمنّا

از جناب عبد العزیز خالد۔ ملنے کا پتہ ... صفحات ۱۲۴ قیمت ۵۰/۲ ... ٹائپ بہترین ...

جناب عبد العزیز خالد صاحب ایک قادر الکلام شاعر ... قدر کتابوں کے مصنف اور ... نگارش ہیں۔ ملک میں پیش نظر کتاب حضور نبی کریم علیہ السلام ... مناقب میں مصنف کی عقیدت ... کلام کا مجموعہ ہے۔ مصنف کو ترکیب عبارات اور نئے نئے الفاظ و اصطلاحات میں بے پناہ دسترس ... ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر تقسیم ہے۔ ہر شعر میں حضور نبی کریم علیہ السلام ... شئونات و مقامات اور مختلف ... حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مصنف نے کئی جگہ غیر مانوس ہندی وغیرہ ... متعلق کلمات بھی استعمال کئے ہیں ... (۳۹) بعض اشعار میں تعقید پایا جاتا ہے۔ ایسے اشعار کی تشریح بھی ... درج ہوتی تو بہتر ہوتا۔ مجموعی ... کتاب نعتیہ کلام میں بیش بہا اضافہ ہے۔ سطر سطر سے عظمت، عقیدت ... محبت رسول ٹپک رہی ہے ... مصنف اور قارئین کو اس کی برکات سے مالامال فرمادے۔

القاموس الجدید (اردو عربی ڈکشنری)

مرتبہ مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانوی۔ صفحات ۹۲۲ پاکٹ سائز ـــــــ قیمت مجلد نو روپے

ناشر مکتبہ حمیدیہ سٹلائٹ ٹاؤن میر پور خاص (سندھ) ـــــــ عربی سے اردو لغات اور تراجم کی ڈکشنریاں تو بہت ہیں۔ اس کتاب میں فاضل اور لائق مرتب نے بڑی محنت اور عرقریزی سے اردو سے عربی ترجمہ کی یہ ڈکشنری مرتب کی ہے۔ فاضل مؤلف نے برصغیر ہند و پاکستان میں رائج الفاظ کے علاوہ دوسری زبانوں کے وہ الفاظ بھی شامل کئے ہیں جو زندگی کے کسی شعبہ میں داخل ہو چکے ہیں، اور پھر ایک ایسا معجم نہیں جس میں صرف اردو الفاظ کا مفہوم موجودہ عربی زبان میں منتقل کیا گیا ہو۔ بلکہ مفرد الفاظ کیسا تھ ان کے استعمالات اور متعلقہ ضروری ترکیبات بھی ذکر کی ہیں۔ ادارۂ فروغ عربی پاکستان (میر پور خاص) نے مصنف کی اجازت سے اسے شائع کرکے عربی زبان و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے۔ حق تعالیٰ قبول فرمادے۔

سبیل الرشاد فی تفریق التبادلۃ والشغار

از جناب مولانا فضل حق ہاشمی سلفی صفحات ۸۰ قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ:۔ ناظم مالیات جمعیۃ اہل حدیث محلہ یارو خیل۔ میانوالی ـــــــ نکاح تبادلہ (بٹہ مروج) اور شغار (جس میں ایک شخص اپنی بیٹی کو اس شرط پر نکاح کردے کہ وہ اسکو اپنی لڑکی بیاہ دے اور دونوں طرف مہر نہ ہو۔) کے درمیان فرق ظاہر کیا گیا ہے کہ پہلی صورت جائز اور دوسری حرام ہے۔ مسئلہ کی نوعیت کے بارہ میں ارشادات نبویؐ، اجماع صحابہؓ اور تابعینؒ وغیرہ کے اقوال اور کئی اہل حدیث علماء کے فتاویٰ بھی نقل کئے گئے ہیں۔ مصنف خود اہل حدیث عالم ہیں مسئلہ کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

—— از مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام ——

یکم شعبان بروز منگل دار العلوم کے تقریری اور ۵ر شعبان کو تحریری امتحانات شروع ہوئے، جو ۱۰ر شعبان تک جاری رہے۔ طلبہ نے نہایت نظم و ضبط اور اساتذہ نے بہتر کارکردگی اور نگرانی کا مظاہرہ کیا۔ ۲۵۰۰ طلبہ سے مختلف علوم و فنون کی تقریباً ۹۰ کتابوں کا امتحان لیا گیا۔ ۱۲ر شعبان کو دار العلوم کے شعبہ عربی میں تعطیل کر دی گئی جو ۸ر شوال تک جاری رہے گی، البتہ انتظامی دفاتر دار الافتاء اور الحق کے دفاتر بدستور کام کرتے رہیں گے۔ نیز شعبہ تعلیم القرآن میں بھی تعطیل نہیں ہوگی۔ اگلے تعلیمی سال کیلئے داخلہ ۸ر شوال کو شروع ہو کر ۱۵ر شوال تک جاری رہے گا۔ ۲۰ر شوال کو انشاء اللہ باقاعدہ اسباق شروع ہو جائیں گے۔

ختم بخاری شریف کی تقریب

بروز ہفتہ ۵ر شعبان بعد از نماز عصر دار العلوم کی وسیع و شاندار مسجد میں دورۂ حدیث شریف کی اہم کتاب بخاری شریف کا ختم حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے کرایا۔ اس تقریب میں طلبہ و اساتذہ کے علاوہ اراکین و متعلقین بھی کافی تعداد میں شریک ہوئے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے بخاری شریف اور علم حدیث کی عظمت و فضیلت اور فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کے مقام اور ذمہ داریوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کی محدثانہ تشریح کرتے ہوئے آپ نے فارغ ہونے والے تلامذہ کو کتب حدیث کے درس و استفادہ کی اجازت دی۔ تقریب کے آخر میں نہایت خضوع و خشوع سے تمام حاضرین نے دعا فرمائی اس سال دورۂ حدیث شریف میں ۱۸۰ طلبہ نے شرکت کی۔

حضرت مہتمم صاحب کا سفر

حضرت شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم حقانیہ، وفاق المدارس العربیہ کی میٹنگ میں شمولیت کے لئے ۱۹ر رجب کو ملتان تشریف لے گئے (میٹنگ کی کارگزاری دوسری جگہ درج ہے) دوران قیام میں جناب ڈاکٹر محمد شفیع صاحب اور

ڈاکٹر اے ایم خان صاحب آئی سپیشلسٹ ، اور ۳ شعبان کو واپسی میں لاہور کے میوہسپتال کے چند ممتاز ڈاکٹروں نے آپ کی صحت کا تفصیلی معائنہ کیا اور علاج وغیرہ تجویز کیا۔ میوہسپتال کے ڈپٹی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ جناب ڈاکٹر خالد سیف اللہ صاحب اور ڈاکٹر منیر الحق صاحب نے نہایت محبت اور توجہ وانہماک کا مظاہرہ فرمایا، اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرمادے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی شوگر کی تکلیف بینائی کی کمزوری اور علالت بدستور ہے۔ قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ ملتان میں آپ نے قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کی عیادت اور مفتی محمود صاحب سے جیل میں ملاقات فرمائی۔

واردین وصادرین

۵ شعبان کو دارالعلوم میں ریاست سوات کے ممتاز عالم دین استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول مولانا خان بہادر صاحب مدظلہ (عرف مارتونگ مولانا صاحب) صدر مدرس دارالعلوم سیدو سوات مع چند ممتاز علماء کے تشریف لائے، رات کو دارالعلوم میں قیام فرمایا۔ ۶ شعبان کو آپ نے دارالعلوم کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا اور امتحان گاہ میں طلبہ کو امتحان دیتے ہوئے نہایت مسرور ہوئے۔ نیز تعلیم القرآن کے بچوں، اسلامی نصاب اور اسلامی معلومات سے بے حد محظوظ ہوئے۔ دارالعلوم کی کتاب الآراء میں آپ نے دارالعلوم کے بارہ میں حسب ذیل دعائیہ کلمات ثبت فرمائے۔ دارالعلوم کیلئے ان کی آمد باعث صد خیر و برکت ہے۔

قد حللت فی ست شعبان ۱۳۹۳ھ فی دار العلوم الاسلامیۃ الحقانیۃ فی اکوڑہ خٹک فرایت فیہ جمعاً غفیراً من العلماء والطلبۃ والمدرسین جمعاً عظیماً کلہم متخلقین باخلاق فاضلۃ وعقائد اہل السنۃ والجماعۃ متزینۃ واعمال فائقۃ ثم تشرفت بلقاء حضرۃ شیخ المشائخ مولانا عبد الحق صاحب فرائیتہ عالماً متبحراً روحانیۃ فائقۃ وجسمانیۃ صالحۃ فادعوا فی جناب الکل واجب لوجود عز اسمہ ان یجعل ہذہ المدرسۃ منبعاً للعلوم الدینیۃ والفنون الاسلامیۃ ومبادیہا ومقاصدہا ومرکزاً للتدقیقات الایمانیۃ والتحقیقات الاسلامیۃ۔ آمین۔ ثم آمین۔

مولانا عبد الخالق مرحوم کی تعزیت

یکم شعبان کو دارالعلوم کبیر والا ملتان کے شیخ الحدیث ممتاز عالم دین اور دارالعلوم دیوبند کے سابق مدرس حضرت مولانا عبد الخالق صاحب نماز فجر سے قبل بحالت مراقبہ دورۂ قلب سے انتقال فرما گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کے زمانۂ قیام دیوبند سے بے حد مراسم تھے۔ مولانا مرحوم بلند پایہ اخلاق وصفات کے حامل تھے۔ حضرت مرحوم کا سانحہ علمی دنیا کے لئے بھاری صدمہ ہے۔ دارالعلوم حقانیہ بھی اس غم میں برابر کا شریک ہے۔ دارالعلوم میں حضرت مرحوم کے رفع درجات وایصال ثواب کیلئے دعائیں کی گئیں، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے مرحوم کے تمام متعلقین ولواحقین کے ساتھ اظہار تعزیت کرتے ہوئے رفع درجات کی دعا کی ہے۔

وفاق المدارس ملتان کا جلسہ

از قلم مولانا قاری محمد امین صاحب راولپنڈی رکن وفاق المدارس

یکم شعبان مطابق ۵ ار نومبر بروز منگل ۔ وفاق المدارس العربیہ ملتان کی مجلس شوریٰ کا اہم سالانہ اجلاس مدرسہ خیر المدارس میں ٹھیک نو بجے زیر صدارت حضرت العلامہ مولانا عبد الحق صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک شروع ہوا۔ آغاز جلسہ میں راقم الحروف نے تلاوت کی۔ کارروائی کے آغاز میں اجلاس میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم کیمبل پور، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم سرگودہوی۔ حضرت مولانا عبد الحنان صاحب مرحوم ہزاروی راولپنڈی حضرت مولانا نجم الدین صاحب کلاچی ڈیرہ اسماعیل خاں کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

پھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور اعذار کی وجہ سے وفاق کی صدارت سے معذرت کرتے ہوئے استعفاء پیش کیا۔ حضرت مولانا کی جگہ آئندہ وفاق کی صدارت کے لئے حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف صاحب البنوری کراچی کا نام پیش ہوا۔ اگرچہ مولانا نے اپنے اعذار پیش کئے مگر حاضرین کے اتفاق رائے کی بنا پر آپ نے وفاق کی صدارت منظور کی۔ اعلان صدارت کے بعد حضرت بنوری نے جامع الفاظ میں تمام مدارس کے منتظمین و مہتممین کو توجہ دلائی کہ میں تنہا اتنے بڑے کام کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ ہر رکن اسکی ترقی کے لئے پوری کوشش سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ تمام حاضرین نے ہر قسم معاونت کا یقین دلایا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے اراکین وفاق المدارس کو توجہ دلائی کہ جتنے مدارس وفاق کے ساتھ منسلک ہیں وہ حسب آمدنی صحیح فیس اس مشترکہ کام میں جمع کراتے رہیں۔ انہوں نے پیشکش کی کہ میں ہر مدرسہ میں خود جاکر مدارس کے حسابات کی پڑتال کے لئے تیار ہوں کہ جن کے ذمہ بقایاجات ہیں وہ سب ادا کئے جائیں۔ حضرت مولانا کی یہ تجویز باضابطہ قبول بھی کر لی گئی۔

وفاق المدارس عربیہ نے پہلے یہ طے کیا تھا کہ جو شخص وفاق میں دورۂ حدیث کا امتحان دینا چاہتا ہے، وہ دورۂ حدیث کے موقوف علیہ کتب کا امتحان وفاق میں دئے بغیر سند کا مستحق نہیں ہو سکے گا۔ اس تجویز کے اجراء میں بعض مشکلات کی وجہ سے بحث کے بعد یہ طے ہوا کہ ہر ایک مدرسہ جہاں دورۂ حدیث ہوتا ہے اگر وہ چاہے تو وفاق کے امتحان سے پہلے اپنے مدرسے کا امتحان لے لے۔ جو طلبہ کامیاب ہوئے ہیں، ان کو مدرسہ کی سند دیدے۔ پھر ان میں جو طلبہ وفاق کا امتحان دینا چاہتے ہیں، وہ کامیابی حاصل کر کے وفاق کی سند کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

وفاق کی دو سندیں ہوں گی، ایک "السند الفراغ من العلوم الدینیہ" جو اعلیٰ ہو گی۔ دوسری "السند الفراغ من الاحادیث النبویہ"۔ جن طلباء نے وفاق میں موقوف علیہ کا امتحان دیا ہو گا۔ ان کو پہلی سند ملے گی۔ اور جنہوں نے صرف دورۂ حدیث کا امتحان دیا ہو گا، وہ دوسری سند کا مستحق ہو گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے فرمایا کہ میں اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ اکوڑہ خٹک انشاء اللہ شوال کے مہینہ میں وفاق کے استحکام کے لئے وفاق سے ملحقہ مدارس کے لئے دس دن کا دورہ کر کے وہاں کے نظم و نسق کا معائنہ کریں گے۔

مجلس شوریٰ کے اکثر اراکین دور دراز سے بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ اور اجلاس ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب سیکرٹری وفاق المدارس اور دیگر گیارہ افراد کی گرفتاری پر شدید افسوس کا اظہار کیا گیا۔ اجلاس کے دوران ہی حضرت مولانا عبدالخالق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ کبیر والا سابق استاد دیوبند کی وفات کی اطلاع ملی جس پر اجلاس نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور کئی حضرات نماز جنازہ میں شمولیت کیلئے کبیر والا روانہ ہوئے۔

علم سے مقصد صرف تہذیب نفس و اصلاح اخلاق اور حلال و حرام کا پہچاننا نہیں بلکہ اس کا مقصد اوروں تک پہنچانا، اوروں کو مہذب بنانا بھی ہے۔ اور ایک عالم کیلئے ابلاغ علم اور اشاعت حدیث فرض ہے۔

دنیا کی زندگی فانی ہے۔ دین کی بقاء اور اشاعت اور اللہ تعالیٰ کے مرضیات پر چلنا چلانا جو ہر چیز سے محبوب ہے، اس کے لئے بھی ایک زمرہ اور جماعت ہونی چاہیئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے۔

(از ارشادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ)

تصحیح

پچھلے شمارہ کے فلسفۂ معراج والے مضمون میں ایک فقرہ غلط چھپا ہے۔ صحیح اس طرح پڑھا جائے، "چونکہ اکبر الارواح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ہے۔"

الحق کے لئے ہر جگہ ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔ ——————

الحق کے فروغ میں حصہ لیکر اجر خداوندی کے مستحق ہوں ——————

الحق میں اشتہار دینا اشاعت حق میں تعاون ہے ——————